امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون

مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 63/73

مورخہ ۶؍ شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۷؍ فروری ۲۰۲۳ء روز سوموار

شمارہ نمبر 09

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، حکایات اہل دل
■ تعصب اور تنگ نظری کے خول سے......
■ گلوبلائزیشن کے نام پر اوپن......
■ صبر وتحمل کامیابی کی اساس
■ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت......
■ عہد نبوت کی چند درسگاہیں
■ اخبار جہاں، ملی سرگرمیاں، ہفتہ رفتہ

بین السطور

زکوٰۃ: اسلام کے معاشی نظام کی اہم بنیاد

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

اسلام کا نظام معیشت عدل وانصاف پر مبنی ایسا کامل ومکمل نظام ہے، جس کی نظیر دنیا کے کسی قدیم وجدید نظام میں نہیں ملتی۔ یہ نظام خشک وبے جان نظریات پر مبنی نہیں؛ بلکہ اس کی جڑیں دل وجذبات سے لے کر عمل تک اور معاشرے کی نچلی سطح سے لے کر اوپری سطح تک پیوست ہیں، جس میں جبر واستبداد اور ظلم وجور کی کوئی گنجائش نہیں، اسلام پہلے انسانی زندگی پر احکم الحاکمین کا دبدبہ قائم کرتا ہے اور اس کے احسانات یاد دلاتا ہے، اور انسانی ذہنوں میں یہ راسخ کرتا ہے کہ تمہارے پاس جو مال ودولت ہے وہ سب رب العالمین کا عطیہ ہے، یہ مال درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہے جو بطور امانت تمہارے سپرد کیا گیا: ﴿وَآتُوْ هُمْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِيْ اٰتٰكُمْ﴾ (النور:۳۳) اور اللہ کے اس مال میں سے انہیں دو جو اس نے تمہیں عطا کیا لیکن ساتھ ہی اسلام انسانوں کو اپنے مال ومتاع کی مالکیت سے کمیونزم کی طرح محروم بھی نہیں کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مال ودولت کا انتساب بار بار انسان کی طرف کیا ہے؛ تاکہ انسان کی خود اعتمادی اور جذبۂ مسابقت نہ صرف یہ کہ محفوظ رہے بلکہ پروان چڑھتا رہے، ارشاد باری ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:۲۶۷) جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اسلام کے عادلانہ نظام معیشت کے بہت سارے حصے ہیں؛ لیکن ان میں اہم ترین شعبہ زکوٰۃ کا ہے یہ اسلام کا تیسرا رکن اور اہم ترین فریضہ ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ محض اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ ۸۲ مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے، ﴿أَقِيْمُوْ االصَّلٰوةَ وآتُو الزَّكٰوةَ﴾ سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ان میں ﴿يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ بار بار آیا ہے۔ اس موضوع پر احادیث حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں، اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ نماز کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ دین کا خلاصہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے، پہلے کا عنوان نماز ہے اور دوسرے کا زکوٰۃ۔ ان کی بھرپور انداز میں تکمیل کے بعد ہی اقامت دین کا تصور کیا جا سکتا ہے؛ بلکہ ایک روایت میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کی نماز بھی مقبول نہیں ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ﴿لا يقبل الله تعالى صلوٰة رجل لا يودى الزكوٰة حتى يجمعهما فإن الله تعالى قد جمعهما فلا تفرقوا بينهما﴾ (کنز العمال:۲۵/۳) اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ ان دونوں کو جمع کرے یعنی نماز اور زکوٰۃ دونوں ادا کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے۔

زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنے نفس کو بخل، خود غرضی، انانیت، فقراء کی حق تلفی اور قلب کی قساوت سے پاک وصاف کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (توبہ:۱۰۳) آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے آپ اس کے ذریعہ انہیں پاک وصاف کر دیں گے۔ اسکا مقصد یہ بھی ہے کہ فقراء وضعفاء اور حاجت مندوں کی حاجت رسی کی جائے، جس کی وجہ سے پاکی ونورانیت اور خیر وبرکت کا ظہور ہوگا۔ ﴿مَنْ ذَاالَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً فَيُضَاعِفُهُ لَهُ اَضْعَافاً كَثِيْرَةً﴾ (البقرۃ:۲۴۵) کون شخص ہے جو اللہ کے لئے قرض حسن (زکوٰۃ یا صدقات) دیتا ہے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو اس شخص کے لئے بہت زیادہ بڑھائے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہر شخص کے پاس اپنی لازمی ضروریات کی تکمیل کے لئے کچھ نہ کچھ مال ہو۔ معاشرے میں کوئی بھوکا یا ننگا نہ رہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ﴿إن الله فرض على الأغنياء فى أموالهم بقدر ما يكفى فقرائهم وإن جاعوا وعروو جهدو فيمنع الأغنياء وحق على الله أن يحاسبهم يوم القيٰمة ويعذبهم عليه اللہ تعالیٰ نے مالدار لوگوں پر انکے مال میں اس انداز سے زکوٰۃ فرض قرار دیا ہے جو فقیروں کے لئے کافی ہو جائے، اب اگر فقراء، بھوکے، ننگے رہتے ہیں یا تکلیف میں رہتے ہیں تو یہ مالدار لوگوں کے زکوٰۃ نہیں ادا کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ قیامت کے دن ان سے محاسبہ کرے اور زکوٰۃ نہیں ادا کرنے پر عذاب دے۔

زکوٰۃ کے جو مقاصد ومصالح اور اس کے فوائد ذکر کئے گئے، ان کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے، جب اس کی وصولیابی اور تقسیم کیلئے ایک جماعتی نظام موجود ہو، اس لئے کہ فرضیت زکوٰۃ کے احکام ومصالح کی عمارت اسی پر کھڑی ہے۔ جس طرح نماز، روزہ اور حج میں اجتماعیت کی روح کارفرما ہے کہ نماز کو جماعت کیساتھ ادا کرنا ہے، روزہ کی فرضیت پوری دنیا کے مسلمانوں پر ایک ہی مہینے میں ہے، مناسک حج کی ادائیگی بھیڑ واز دہام، دشواری وپریشانی کے باوجود چند مخصوص ایام ہی میں کرنی ہے، ٹھیک اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک اہم ترین عبادت ہے اور اس کیلئے بھی اسلام نے ایک اجتماعی طریقہ کار مقرر کیا ہے کہ امیر کے تحت بیت المال قائم ہو، وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے اور مستحقین تک باعزت طریقے پر پہنچائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُ هُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (التوبہ:۱۰۳) اے پیغمبر آپ مسلمانوں کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے، اس کے ذریعہ ان کو پاک اور مزکی بنائیے۔ یہ آیت کریمہ واضح طور پر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی امام کے ذریعہ ہو، امام وامیر کے تحت حسب مصالح زکوٰۃ کی رقم مصارف زکوٰۃ میں صرف ہو اور ''خذ'' میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے وہ ''خطاب مواجہہ'' ہے؛ چناں چہ علامہ نووی شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں: ﴿وخطاب مواجهة للنبى صلى الله عليه وسلم وهو جميع امته فى المراد سواء﴾ (نووی:۳۸/۱) اور خذ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو خطاب ہے وہ ''خطاب مواجہہ'' ہے، اسلئے حکم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت دونوں شامل ہیں۔

زکوٰۃ کے اجتماعی نظام سے زکوٰۃ کی وصولی زیادہ سے زیادہ مقدار میں ہو سکے گی۔ اور زیادہ سے زیادہ ضرورت مند افراد کا تعاون ممکن ہو سکے گا۔ لوگوں کا تعاون انکی ضرورت کے لحاظ سے ہوگا۔ محتاج اور ضرورت مند لوگ سوال کرنے کی ذلت سے بچ سکیں گے۔ زکوٰۃ کی رقم کوڑیوں میں بٹنے کے بجائے حسب ضرورت لوگوں کو ایک جگہ سے مل جائے گی، ان لوگوں تک بھی زکوٰۃ پہنچ جائے گی جن کی زبانیں حیا وخودداری کی وجہ سے بند رہتی ہیں، زکوٰۃ کا اجتماعی نظام اس ضرورت کو پورا کرتا ہے اور گداگری کا خاتمہ کرتا ہے۔

حجۃ الاسلام ابو بکر جصاص رازیؒ اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھتے ہیں: '' خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً'' کی آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کو ہے اور بلا شبہ جن پر زکوٰۃ فرض ہے اگر وہ خود مساکین کو دے دیں گے تو یہ جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ زکوٰۃ کی وصولی کا حق امام کے لئے ثابت وقائم ہے۔ لہذا صاحب زکوٰۃ کو امام کے اس حق کو ساقط کرنے کا کوئی اختیار نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے عاملین کو بھیجا کرتے تھے اور حکم فرماتے تھے کہ انکی زکوٰۃ ان کی جگہ پر جا کر لیا کریں اور یہی حکم پھلوں کی زکوٰۃ کا ہے؛ بقیہ رہ گئی سونے، چاندی، دراہم ودنانیر کی زکوٰۃ تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خدمت میں داخل کی جاتی تھی۔ پھر حضرت عثمان غنی نے ایک مرتبہ خطبہ دیا کہ یہ زکوٰۃ کا مہینہ ہے، جس پر قرض ہو وہ اپنے قرض کو ادا کرے پھر باقی مال کی زکوٰۃ ادا کرے، حضرت عثمان غنیؓ نے ارباب مال کو اختیار دیا کہ وہ زکوٰۃ مسکینوں کو ادا کریں۔ (احکام القرآن:۱۵۵/۳) علامہ ابن الہمام حنفی لکھتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے دونوں خلیفہ اس پر قائم رہے۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور لوگوں کا تغیر ظاہر ہونے لگا تو انہوں نے خیال کیا کہ لوگوں کے پوشیدہ مالوں کا خفیہ طریقہ سے پتہ لگانا مناسب نہیں، اس لئے انہوں نے اس مال کی ادائیگی ان کے مالکان کے سپرد کر دی اور صحابہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اس کی حیثیت امام کے حقِ وصول کو باقاعدہ ساقط کر دینے اور گزشتہ حکم کو منسوخ کر دینے کی نہیں تھی۔ (فتح القدیر:۳۱۱/۱)

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ اور شرعی تقاضہ ہے کہ وہ بیت المال میں جمع کی جائے اور ان خلفاء وامراء کے سپرد کی جائے جو اس کے منتظم وذمہ دار ہیں؛ چناں چہ اسلامی خلافت اپنے درجات کے تفاوت کے باوجود برابر زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کی تقسیم کا عمل انجام دیتی رہی۔ خلافت عباسیہ کے آخری دور تک یہ صورت حال برقرار رہی؛ بالآخر آہستہ آہستہ آنے والی مختلف حکومتوں نے اس نظام کی پابندی کو ختم کر دیا، اس کے نتیجے میں تمام اسلامی ملکوں میں سخت انتشار برپا ہوا، مسلمان شریعت اسلامی کی برکتوں سے محروم ہوتے چلے گئے اور اسی کی سزا ہے کہ آج انکو ظالمانہ سرمایہ داری، پُر فریب سوشلزم اور انتہا پسندانہ وغیر متوازن کمیونزم کا مزا چکھنا پڑ رہا ہے۔

یہ ایک بڑی سچائی ہے کہ اسلام کا کامل تصور بغیر جماعت اور امارت کے ممکن نہیں، زندگی کے ہر شعبہ میں ایک مسلمان کے لیے اجتماعیت سے محرومی اور انتشار میں مبتلا رہنا بہت بڑا نقصان اور دینی ودنیوی خسران کا سبب ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا: ﴿لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة إلا بامارة﴾ جب جماعت اور امارت قائم ہوگی تو ان شاء اللہ پوری امت پر اللہ کی خاص رحمت کا نزول ہوگا، ارشاد نبوی ہے: ید اللہ علی الجماعۃ۔

لہذا وہ علاقے اور خطے جہاں اسلامی نظام امارت قائم نہیں، وہاں کے مسلمانوں کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ نظام امارت قائم کریں اور اپنے میں سے کسی ایک لائق شخص کو امیر منتخب کر لیں، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے: ﴿اما فى بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم﴾۔

(بقیہ صفحہ 14 پر)

اللہ کی باتیں ---- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

قناعت پسندی بھی ایک نعمت ہے

’’اورتم مال ودولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو، حالانکہ جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی، آپ کے پروردگار اور قطار باندھے ہوئے فرشتے رونق افروز ہوں گے اور اس دن دوزخ لائی جائے گی، اس روز انسان سمجھ جائے گا، اور اس وقت سمجھنے کا کیا فائدہ، کہے گا، کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے کچھ بھیجا ہوتا‘‘ (سورۃ الفجر، آیت: ۲۰-۲۱)

وضاحت: دنیا میں انسان مال ودولت کو حاصل کرنے میں بسا اوقات وہ اپنی شرافت وعظمت کو بھی بھول بیٹھتا ہے، روپے پیسے کس طرح جمع ہوجائیں، بینک بیلینس ہوجائے، اسی فکروسوچ میں صبح وشام گذرتی ہے، اس راہ میں وہ رشتے ناطوں کا بھی لحاظ وخیال نہیں رکھتا، بھائی بہنوں کی جائداد، پڑوسیوں کی زمین ہڑپ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، جو خود اس کے لئے اور مہذب معاشرے کے لئے انتشار کا سبب بن جاتا ہے، حرص وطمع کی یہ کیفیت انسانی وقار کے خلاف تو ہے ہی، دنیا وآخرت کے لئے خطرے کی گھنٹی بھی ہے، اس لئے قرآن مجید میں کہا گیا کہ مال ودولت کو حاصل کرنے کے لئے اعتدال وتوازن کو قائم رکھو اور جو نعمتیں تم کو عطا کی گئی ہیں، ان پر قناعت اختیار کرو اور اسی پر راضی وخوش رہو، ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ مالداری، ساز وسامان کی کثرت کا نام نہیں، بلکہ اصل مالداری دل کا استغنا اور قناعت ہے، علامہ قرطبیؒ نے لکھا کہ حقیقی مالداری یا بڑی مالداری دل کا غنی ہونا ہے کہ جب انسان دل کا غنی ہوگا تو وہ حرص ولالچ سے بچ جائے گا، جس کے ذریعہ بڑائی اور عزت نفس حاصل ہوگی، اس کو پاکیزہ کردار لوگوں میں بلندی وتعریف کا وہ مرتبہ حاصل ہوگا، جو اس مالدار کو نہیں حاصل ہوگا، جس کا دل حرص وطمع کے کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے، اگر آپ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ انسان کا دل فقیر اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ نے اس کو جو کچھ عطا کیا ہے، اس پر اس کو قناعت نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ ہر وقت مال کو جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، جب اس کے منشا کے مطابق مال نہیں ملتا ہے تو وہ رنج وغم کا شکار ہوجاتا ہے اور شکوہ وشکایت کرتا پھرتا ہے، لوگوں سے اپنی بے بسی کا اظہار کرتا ہے اور جب انسان اللہ کی عطا اور فیصلہ پر راضی رہتا ہے تو اس کا دل مطمئن رہتا ہے اور غیب سے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتوں کو پوری کرتا رہتا ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو دنیا سے زیادہ دل نہ لگانے کی تربیت کی، جس کا اثر صحابہ پر ایسا ہوا کہ جب وہ بادشاہوں کے حالات اور باتیں سنتے تو جلدی سے گھر میں داخل ہوجاتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے ’’وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ الخ‘‘ اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے، ان طرح طرح کے لوگوں کو رونق دنیا کی زندگی ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والی ہے (سورہ طٰہٰ) معلوم ہوا کہ قناعت پسندی بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، اس لئے انسان کو قناعت پسند بن کر زندگی گذارنی چاہئے تاکہ روز محشر میں عزوشرف سے نوازا جائے۔

بیکاری، بہت بڑی بیماری

’’حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت ہر اس مومن کو دوست رکھتا ہے، جو کسی پیشہ سے جڑا رہتا ہے اور تندرست وتوانا بے کار شخص کو پسند نہیں کرتا، جو نہ دنیا کے کام میں نہ دین کے کام میں‘‘ (احیاء)

مطلب: اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ محبوب ہیں جو رزق حلال کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، محنت ومزدوری، تجارت وکاروبار اور جائز طریقے سے روزگار کے لئے تگ ودو کرتے رہتے ہیں، تاہم جو لوگ صحت وتندرستی کے باوجود معیشت وروزگار کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کرتے ہیں اور بیکاری میں اپنے وقت کو ضائع کرتے رہتے ہیں، وہ نہ اپنی ذات کے خیرخواہ ہوتے ہیں اور نہ ہی اپنے بال بچوں اور نہ سماج کے ہوتے ہیں، آج بہت سے تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوان سرکاری ملازمت کی آس میں اپنی عمر اور وقت کو گنوا رہے ہیں، ان پر جمود وتعطل طاری ہے، بسا اوقات گھریلو ذمہ داریوں کے بار اٹھانے کے باوجود گھر والوں پر بوجھ بنے ہوئے ہیں، ان کی اس بیکاری نے بہت سی برائیوں کو جنم دیدیا ہے، اس نظریہ کو بدلنے کی ضرورت ہے، چاہے وہ اسکول وکالج کے طلبہ ہوں یا دینی جامعات اور اداروں کے فارغ التحصیل طلبہ سب اس زمرے میں آتے ہیں، اگر وہ اپنی صلاحیت وقوت کو تجارت وصنعت میں لگائیں تو آج بھی وہ دنیا کی ترقی پذیر قوموں کی صف میں کھڑے ہوسکتے ہیں، کیوں کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر شعبہ میں ترقی صرف عمل ہی سے ممکن ہے، صرف خیالی منصوبوں سے کبھی آدمی ترقی نہیں کرسکتا ہے، اس لئے اس وقت بھی ترقی کے سارے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اس لئے کم پونجی سے ہی کاروبار شروع کیجئے، ان شاء اللہ ترقی ملے گی، ماضی کی تاریخ بتلاتی ہے کہ بڑے بڑے ماہرین فن علماء نے ذرائع معاش کے لئے صنعت وحرفت کا پیشہ اختیار کیا اور ترقی کی منزلیں طے کیں، علامہ سید مناظر احسن گیلانی نے ہند وبیرون ہند کے متعدد ایسے اصحاب فضل وکمال کا تذکرہ کیا، جنہوں نے دستکاری یا صنعت کاری کا پیشہ اختیار کیا اور دین اور علم دین کی خدمت خالصہ لوجہ اللہ کی اور دینی ودنیاوی اعتبار سے فارغ البالی کی زندگی بسر کی، ایسے سلاطین بھی گذرے جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے کتابت کرکے حلال رزق کے طلبگار رہوئے، حضرت علامہ نے لکھا کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن ہمارے بزرگوں نے علم اور وہ بھی علم دین کی کتابت کو دین ہی کا ایک جز قرار دیا، عموماً چاہا جاتا تھا کہ دین کے اس کام میں اپنا حصہ لیں، حسب استطاعت حاصل کیا جائے (نظام تعلیم وتربیت، ص:۱۳۴) اگر ہر تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوان اس نقطہ نظر پر غور کرکے عملی اقدامات کرلینے لگے تو یقین مانئے کہ معیشت بھی بہتر ہوگی اور قلبی سکون کی نعمت سے بھی وہ مالا مال ہوگا، بہرحال ہمت وحوصلہ سے روزگار کے مواقع تلاش کریں، مختصر پونجی سے آغاز کریں اور اللہ سے کامیابی کی دعا کرتے رہیں۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

کیا مردے کی روح شب جمعہ اور شب برات میں گھر واپس آتی ہے:

س: بہت سے لوگوں کا خصوصاً عورتوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مردہ کی روح جمعہ کی رات اور شب برات میں گھر واپس آتی ہے، اس لئے شب برات میں گھروں کو صاف ستھرا کیا جاتا ہے، اگربتیاں جلائی جاتی ہیں، چراغاں کیا جاتا ہے، کیا قرآن وحدیث سے مردے کی روح کی واپسی کا عقیدہ رکھنا درست ہے؟

ج: مرنے کے بعد نافرمان لوگوں کی روحیں ساتویں زمین میں سجین میں ہوتی ہیں اور نیک لوگوں کی روحیں ساتویں آسمان پر علیین میں ہوتی ہیں: ’’كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِيۡ سِجِّيۡنٍ. كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ لَفِيۡ عِلِّيِّيۡنَ‘‘ (سورة المطففين: ۷، ۱۸) روى ناس عن ابن عباس قال: ان ارواح الفجار واعمالهم لفى سجين‘‘ (الجامع لاحكام القرآن: ۱۹/۲۵۷) قوله تعالىٰ: (كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ لَفِيۡ عِلِّيِّيۡنَ)... قال الضحاك ومجاهد وقتادة يعنى السماء السابعة فيها ارواح المومنين‘‘ (الجامع لاحكام القرآن: ۱۹/۲۶۲)
اور حضرات شہداء کرام کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں عرش الٰہی سے معلق قندیلوں میں آرام کرتی ہیں اور جنت میں آزادی کے ساتھ چرتی پھرتی ہیں: قال عليه الصلوة والسلام ارواحهم فى جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاء ت‘‘ (صحيح لمسلم: ۴۸۸۵، باب فى بيان ارواح الشهداء فى الجنة وانهم احياء عند ربهم يرزقون‘‘ (كتاب الامارة: ۲/۱۳۵)
ان روحوں کا اپنے اپنے مقامات سے دنیا کی جانب واپس آنا قرآن کریم اور صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث سے جو چیز ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح عالم برزخ سے دنیا کی جانب لوٹ کر نہیں آتی ہے، چنانچہ سورۃ الانبیاء میں ہے: ’’وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ‘‘ (سورة الانبياء: ۹۵)
مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہلاک شدہ قوموں اور لوگوں کے لئے یہ بات قطعی طور پر طے ہے کہ وہ قیامت تک دنیا میں واپس نہیں آئیں گے: ’’قال ابن عباس رضى الله عنهما وجب يعنى قد قدر ان اهل كل قرية اهلكوا انهم لا يرجعون الى الدنيا قبل يوم القيامة‘‘ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۶۲۶)
اور آیت کریمہ ’’وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ‘‘ (آل عمران: ۱۶۹) کی تشریح میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ شہیدوں کی روحیں جو سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں آزادی کے ساتھ جنت میں اڑتی پھرتی ہیں، عرش کے نیچے لٹکتی ہیں، قندیلوں پر آرام کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں کچھ اور چاہئے؟ جواب ملتا ہے: اے اللہ! ہمیں اور کیا چاہئے؟ آپ نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کی ہیں جو کسی کو نہیں دی ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کچھ مانگو، تب عرض کرتی ہیں کہ ہمیں دنیا میں واپس بھیجا جائے، تاکہ آپ کی راہ میں لڑ کر پھر شہید ہوں اور شہادت کا لطف اٹھائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (تمہارا مطالبہ پورا نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ) میں نے طے کردیا ہے کہ دنیا کی طرف دوبارہ نہیں جانا ہے: ’’انه قد سبق منى انهم اليها لا يرجعون‘‘ (الجامع لاحكام القرآن: ۴/۲۷۸، تفسير ابن كثير: ۱/۲۶۸) مذکورہ تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جمعہ کی رات ہو یا شعبان کی کوئی رات کسی دن بھی مردہ کی روح گھر واپس نہیں آتی ہے، روحوں کی گھر واپسی کا عقیدہ بالکل صحیح نہیں ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

کیا مردہ کی روح دنیا میں کسی آدمی پر آسکتی ہے

س: ایک لڑکی جس پر آسیبی اثر ہوتا ہے جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کون ہے؟ تو اس خاتون کا نام بتاتی ہے جس کا انتقال کچھ دنوں پہلے ہوچکا ہوتا ہے، وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ ہم اسی گھر میں یا اس کے آس پاس درختوں پر رہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا مرنے کے بعد روح دنیا میں کسی پر آسکتی ہے؟

ج: مرنے کے بعد روح علیین یا سجین میں پہونچا دی جاتی ہے، وہاں سے اسے دنیا میں نہیں بھیجا جاتا، لہذا کوئی لڑکی اثر کے نتیجے میں اگر کسی مردہ خاتون کا نام بتاتی ہے تو وہ اس مردہ خاتون کی روح نہیں ہوتی، بلکہ اسے جنات وغیرہ کا اثر سمجھنا چاہئے اور یہ خیال کہ مردہ کی روح آتی ہے اور ادھر ادھر بھٹکتی ہے صحیح نہیں ہے۔

شب برات میں آتش بازی اور پٹاخے

س: شب برات کے موقع پر بہت سے لوگ آتش بازی کرتے اور پٹاخے چھوڑتے ہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: آتش بازی اور پٹاخے بازی میں کئی اخلاقی اور اور شرعی خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے یہ شرعاً ناجائز وحرام ہے:
(۱) ہندو بھائیوں کے تہوار دیوالی کی نقل ہے، جس طرح برادران وطن دیوالی میں آتش بازی کرتے ہیں اور پٹاخے چھوڑتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی شب برات میں کرتے ہیں، جبکہ غیروں کے مذہبی رسم اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ’’من تشبه بقوم فهو منهم‘‘ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے (ابوداؤد، کتاب اللباس: ۲/۵۵۹) (۲) لاکھوں روپے آگ کی نذر ہوجاتے ہیں، مال کا ضیاع ہے، فضول خرچی ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ’’ان المبذرين كانوا اخوان الشيٰطين‘‘ (فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں) سورۃ الاسراء: ۲۷) (۳) دل آزاری ہے: بہت سے لوگ بیمار ہوتے ہیں یا تھکے ماندے ہوتے ہیں انہیں آرام کی سخت ضرورت ہوتی ہے، بہت سے لوگ عبادت میں مصروف ہوتے ہیں، پٹاخے کی تیز آواز سے ان کے آرام وعبادت میں غیر معمولی خلل واقع ہوتا ہے، سخت دلی تکلیف ہوتی ہے، وہ بہت کرب اور بے چینی سے رات گذارتے ہیں اس طرح کسی کو تکلیف پہونچانا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ ۴- فضائی آلودگی اور جان ومال کے نقصان کا سبب ہے، بعض دفعہ آگ لگ جاتی ہے جس میں بہت سے مکانات جل جاتے ہیں اور جانیں بھی جاتی ہیں، جس سے کافی نقصان ہوتا ہے۔ ۵- بدعت ہے، کتاب وسنت صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ شب برات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ، تابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں بھی آئی اور بار بار آئی، لیکن کبھی کسی نے نہ تو پٹاخہ چھوڑا، نہ آتش بازی کی، نہ حلوہ پکایا اور نہ ان چیزوں کے کرنے کی تعلیم دی، یہ سب غلط رسم اور بدعت وخرافات پر مبنی شیطانی اعمال ہیں، اسلامی تعلیمات اور اس کے مزاج کے خلاف ہے، خدا کی ناراضگی کا سبب ہے، لہذا ہر صاحب ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی ان چیزوں سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امارت شرعیه بهار اڑیسه وجهارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب
پھلواری شریف، پٹنہ

پھلواری شریف

جلد نمبر 62/72 شمارہ نمبر 09 مورخہ ۶؍شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۷؍فروری ۲۰۲۳ء روز سوموار

حکمت عملی

ایمانی واسلامی زندگی مسلمانوں کے لیے مطلوب ومقصود، شریعت کے احکام ومسائل منصوص اور زندگی کے تمام شعبوں کے لیے تفصیلی ہدایات اور طریقۂ کار قرآن واحادیث میں مذکور ہیں، ہماری زندگی اسی کے مطابق گذرنی چاہیے، ان معاملات میں مذاہب یا حکومت کی دخل اندازی کسی بھی درجہ میں مسلمانوں کے لیے نا قابل برداشت ہے اور پوری استطاعت کے ساتھ اس دخل اندازی کو روکنے کے لیے ہر سطح پر تیاری ہماری مذہبی ذمہ داری ہے۔

یہ دخل اندازی کس طرح روکی جاسکتی ہے، اس کا تعلق بڑی حد تک حکمت عملی سے ہے اور حکمت عملی زمان ومکان کے فرق سے الگ الگ ہوسکتی ہے اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف غزوات بدر، احد، خندق، حنین وغیرہ میں باطل طاقتوں سے مقابلے کے لیے الگ الگ حکمت عملی اختیار کی، کبھی شہر سے باہر جاکر مقابلہ کیا گیا اور کبھی شہر کے قریب خندق کھود کر دفاعی قوت مضبوط کی گئی، بعض کے معاملہ میں فدیہ لے کر رہائی کا فیصلہ کیا گیا اور بعض کو تعلیم وتدریس کی خدمت لے کر چھوڑا گیا، اسی طرح اسلام دشمن طاقتوں سے سمجھوتے میں بھی ساری کفریہ طاقت کو مذہب اسلام سے دور ہونے کی وجہ سے ملت واحدۃ نہیں قرار دیا گیا، حالاں کہ **حقیقتا الکفر ملة واحدة** ہی کہا گیا ہے، لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت عملی یہ اختیار کی کہ ہر قبیلے سے الگ الگ معاہدہ کیا؛ تاکہ ان کو اپنی اکثریت اور کفر کے ملة واحدة ہونے کی وجہ سے برتری کا احساس نہ ہو، اسی طرح خلیفہ کے انتخاب کے معاملہ کو دیکھیں، ہلکے قسم کے اشارہ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا اعلان خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے نہیں کیا، جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کے نام کا اعلان فرمادیا، حضرت عمرؓ کا معاملہ اس سے مختلف رہا، انہوں نے چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کرلے، یہ تاریخی واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ احکام منصوص ہیں، عبادت، معاملات وغیرہ کا طریقہ متعین ہے، لیکن حکمت عملی کے اختیار کرنے میں جو شرعی طور پر کسی احکام سے متصادم اور کسی منکر اور گناہ میں پڑنے کا سبب نہ بنے یک گونہ حالات وزمانہ کی رعایت کا اس میں دخل ہے۔

اس وقت پورے ملک کے جو حالات ہیں اور مسلمانوں پر کشادگی کے باوجود زمین کے تنگ کرنے اور زندگی دشوار کرنے کی جو مہم چل رہی ہے، جس طرح بے گناہوں کا خون، گائے کے تحفظ، لو جہاد، ہجومی تشدد کے نام پر بہایا جا رہا ہے اور حکومت نے جس طرح عدالت اور پارلیامنٹ کا سہارا لے کر شرعی احکام میں مداخلت کی ٹھان رکھی ہے نیز اسلامی ایمانی زندگی گذارنے سے قانون اور عدالت کے ذریعہ جبراً روکا جا رہا ہے، دستور میں دیئے گیے اقلیتوں کے حقوق ومراعات کی جس طرح اَن دیکھی کی جارہی ہے اور جس طرح دستور کی آبرو سے کھیلا جارہا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مضبوط اور منظّم حکمت عملی کے ساتھ اسے روکنے کی کوشش کی جائے اور سرکار کو بتادیا جائے کہ مسلمان اس ملک سے محبت کرتے ہیں، اس ملک کی سالمیت بقاء اور یہاں کی جمہوری اور دستوری قدروں کے تحفظ کے لیے قربانیاں دیتے رہے ہیں، اور آج بھی ملک کے دستور اور جمہوری قدروں کی حفاظت کے لیے آگے آنے کو تیار ہیں اور یہ سب کچھ ہم ہندوستانی دستور وقوانین پر عمل کرتے ہوئے کرسکتے ہیں، ہم قانون کی خلاف ورزی اور فرقہ پرستوں کی طرح لاقانونیت برپا کر کے کچھ نہیں کرنا چاہتے۔

آزادی رائے

ہندوستانی سیاست اور ذرائع ابلاغ میں ان دنوں اظہار رائے کی آزادی پر کھل کر بحث ہورہی ہے، عالمی تنظیم آراف اس نے اپنی سالانہ رپورٹ میں واضح کیا ہے کہ ہندوستانی پریس کی آزادی میں مسلسل گراوٹ آرہی ہے، ایک امریکی صحافی نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں ریئیل جرنلزم (حقیقی صحافت) کا دور ختم ہوچکا ہے، امریکی صحافی کا یہ قول حقیقت سے انتہائی قریب ہے، ہندوستان میں آج میڈیا بکا ہوا ہے، اور بیش تر قابل ذکر صحافی کی ایک قیمت سیاسی پارٹیوں نے لگا رکھی ہے، پرنٹ میڈیا کے مالکان کی وابستگی کسی نہ کسی سیاسی پارٹی، نظریات اور رجحانات سے ہے، اس صورت حال میں قلم وہ نہیں لکھتا جو اسے لکھنا چاہیے، بلکہ وہ لکھتا ہے جو اس سے لکھوایا جاتا ہے، ایسے میں اظہار رائے کی آزادی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، ماضی قریب میں جن صحافیوں نے اپنی بولی نہیں لگنے دیا انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے، شجاعت بخاری، گوری لنکیش، نریندر دابھولکر، ڈاکٹر ایم ایک کلبرگی اور ڈاکٹر پنسارے بک نہیں سکے تو انہیں دوسری دنیا کی راہ دکھادی گئی ہے، پرسون واجپئی، سمن واچی، اکار پٹیل، ابھیشا راور رویش کمار جیسے چند صحافیوں پر سوشل میڈیا ذاتی حملے اور کردارکشی کرتا رہا ہے، رویش کمار کو این ڈی ٹی وی چھوڑ دینا پڑا، اور جس طرح ان کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کی جارہی ہے اس میں کیا بعید ہے کہ کسی دن ''بانگ آید کہ فلاں نہ ماند''

یہ اس ملک کا المیہ ہے کہ میڈیا یہاں پر غیر ذمہ دارانہ انداز میں کام کرتا رہا ہے، کبھی اس نے اظہار رائے کی آزادی کے نام مذہبی مسلمات اور اقدار پر حملے کیے اور کبھی وہ حکومت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا رہا، اب صحافت میں غیر جانب دارانہ نظریات اور حقائق کی پیش کش کی بات عنقا ہے، حالاں کہ ہم تو غیر جانب دار ہونے کو بھی صحیح نہیں سمجھتے، ہمارا نعرہ تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم غیر جانب دار نہیں حق کے طرف دار ہیں، البتہ حق کی تعیین پروپیگنڈے، نعرے بازی اور جملے اچھالنے سے نہیں، انتہائی گہرائی اور گیرائی، پس وپیش حقائق ومشاہدات کی روشنی میں کرنا چاہیے، ورنہ کوئی بھی صحافی بڑی آسانی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم فلاں پارٹی کی حمایت اس لیے کرتے ہیں کہ اسے حق سمجھتے ہیں، اسے حق سمجھنے کی ان بنیادوں پر بھی روشنی ڈالنی چاہیے، جس کی وجہ سے وہ اسے حق سمجھتا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ سب صرف مودی اور یوگی حکومت میں ہورہا ہے، بنگال کی ممتا بنرجی بھی اس معاملے میں کچھ کم نہیں ہیں، ممتا کی پہلی حکومت میں ایک کارٹون بنا کر پوسٹ کرنے پر شانتی نکیتن کے ایک پروفیسر کو جیل میں ڈال دیا گیا تھا اور ضمانت پر رہائی کے بعد گھر میں گھس کر ممتا کے چاہنے والوں نے اس کی جم کر پٹائی کی تھی، لوک سبھا چناؤ کے موقع سے ممتا کے ایک کارٹون بنانے والے کو پولس نے گرفتار کرلیا تھا، بڑی مشکل سے ہائی کورٹ سے ضمانت ملی تھی، اڈیشہ اور تمل ناڈو کی حکومتیں بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں ہیں۔

ملک سے باہر نکلیں تو برما، پاکستان اور اسرائیل سے صحافیوں پر ظلم وجور کی خبریں آتی رہی ہیں، ان حالات میں صحافیوں کا دم خم کمزور پڑتا جارہا ہے، اور وہ لوگ جو ظلم وجبر کے خلاف سینہ سپر ہوجایا کرتے تھے اور قلم کی ساری سیاہی استعمال کرلینا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے ان کے حوصلے ٹوٹ رہے ہیں، پرکھادت، ساگریکا، گھوش، سوامی ناتھن، جیسے صحافی اور مضمون نگار کے الفاظ، جملے اور تعبیرات میں اب وہ دھار نہیں ہے جس سے باطل کے ایوان میں لرزہ طاری ہوتا تھا، اور آپ خوب جانتے ہیں کہ دھار ایک بار کند ہوگئی تو اس کا صیقل کرنا آسان نہیں ہوتا، ایسے میں دوطرفہ محاسبہ کی ضرورت ہے، حکومت اور ان کے کارندوں کو میڈیا کے تئیں اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور میڈیا کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جمہوریت کا یہ چوتھا ستون پابند سلاسل سیم وزر ہوگیا تو اس کی اہمیت وافادیت ہی نہیں، قدر وقیمت بھی ختم ہوجائے گی اور جب بھی ان سلاسل سے نکلنے کی کوشش کی جائے گی صحافی حضرات کو سخت آزمائش سے گذرنا ہوگا، کبھی آزمائش کا یہ سلسلہ جسم وجان تک پہونچے گا اور کبھی اس کا اختتام ابدی نیند پر بھی ہوسکتا ہے۔

بِکتا انسان

اللہ رب العزت نے انسان وجنات کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا اور واضح طور پر قرآن کریم میں تخلیق انسانی کے اس مقصد کو بیان بھی کردیا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ پوری دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے، اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گیے ہو، مطلب یہ ہے کہ تم اپنی بندگی، حسن کارکردگی سے اپنی آخرت بنا سکو، اور دنیا جسے آخرت کی کھیتی سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کھیتی میں اعمال حسنہ کی ایسی فصل اُگاؤ کہ جنت کے حسین مکانوں کے مکین بننے کی اہلیت وصلاحیت تم میں پیدا ہوجائے۔

کچھ دنوں تک یہ دنیا اسی رخ پر چلتی رہی، پھر ہمارے ذہن ودماغ اعمال وکردار پر مادیت کا غلبہ ہوگیا، نفع نقصان کا معیار اخلاق وکردار کے بجائے جائز وناجائز طور پر مال ودولت کا حصول بن گیا، چنانچہ بیش تر لوگوں کے نزدیک یہ دنیا آخرت کی کھیتی کے بجائے ایک بازار بن گئی، ایسا بازار جس میں سب کچھ بکتا ہے، یہاں احساسات وخیالات مشاہدات وتجربات، جذبات وکمالات سب بک رہے ہیں، حقوق بک جاتے ہیں، پڑوس بک جاتا ہے، پوزیشن بک جاتی ہے، ماں کا رحم اور انسان کا جسم بک جاتا ہے، تلک جہیز کی رسم، کرائے کی کوکھ، طوائفوں کے کوٹھے اور چکلے یہ سب منڈیاں ہی تو ہیں، اور اب دنیا اس قدر گر چکی ہے کہ اسے انسانوں کی خرید وفروخت میں بھی کوئی عار اور شرم نہیں ہے۔

آسٹریا کے دار الحکومت ویانا میں اقوام متحدہ کا ایک ذیلی دفتر ہے، جس کا کام منشیات اور جرائم کی روک تھام کے لیے کوشش کرنا ہے، اس کا مختصر نام UNODC ہے، اس نے انسانی تجارت کے کئی سالوں کے اعداد وشمار جاری کیے ہیں، اس کے مطابق ۲۰۱۶ء میں ۲۵؍ ہزار افراد انسانوں کی تجارت کرنے والے گروہ کے ہتھے چڑھ گیے اور ان کی خرید وفروخت مکمل ہوگئی، دنیا کے ایسے پینتالیس ممالک جو اس قسم کے اعداد وشمار جاری کرتے ہیں، ان کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تجارت کے اس کام میں ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۶ء تک ۳۹ فی صد کا اضافہ ہوا، جرمنی میں جرائم کی تحقیقات کرنے والے ادارہ بی کے اے (BKA) کے سروے کے مطابق صرف جرمنی میں ۲۰۱۷ء میں ۶۷۱؍ افراد کی انسانی تجارت کی گئی جو ۲۰۱۵ء کے مقابلے ۲۵؍ فی صد زیادہ تھی۔

انسانوں کی اس تجارت میں مال ومتاع کے طور پر فروخت کی جانے والی ۶۰؍ فی صد خواتین یا بچیاں ہوتی ہیں، جن کا اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق جنسی استحصال کیا جاتا ہے، ان سے جسم فروشی کرائی جاتی ہے، بقیہ چالیس فیصد نابالغ لڑکے، مہاجرین اور تارکین وطن یا غربت وافلاس کے مارے لوگ ہوتے ہیں، جن کو مختلف کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چھوٹے بچے کو جنسی تلذذ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، بڑے لوگوں کے اعضاء فروخت کردیے جاتے ہیں، ان سے غلاموں کے انداز میں کام لیا جاتا ہے، جبری مشقت پر مجبور کیا جاتا ہے اور ایک بڑی تعداد کو ہاتھ پاؤں سے مفلوج بنا کر گداگری کے پیشے سے لگا دیا جاتا ہے، اور بِکنے والے انسان کی پوری زندگی عذاب بن جاتی ہے اب وہ چاہ کر بھی راہ فرار اختیار نہیں کرسکتا۔

اسلام کے نزدیک اس قسم کی تجارت کی قطعا گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ اسلام کی نظر میں انسان معظم ومکرم ہے، اللہ رب العزت نے اسے دوسرے تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے، وہ خلقی اعتبار سے بھی حسین صورت، معتدل جسم ومزاج اور متوازن قد وقامت کی وجہ سے دوسری تمام مخلوقات پر فضیلت رکھتا ہے، عقل وشعور، نطق وگویائی اس پر مستزاد ہے، اس کی غذا بھی دوسروں سے الگ مرکبات سے تیار ہوتی ہے، جب کہ دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت نہیں دی ہے، وہ بے زبان ہے، اور اپنی غذا خود تیار کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، شہوات وخواہشات تمام حیوانات میں ہیں، لیکن عقل وشعور کے ذریعہ اسے قابو میں رکھنا صرف انسان ہی کے بس کا ہے، اس لیے وہ سامان تجارت نہیں بن سکتا؛ بلکہ اس کے کسی جز، خون، چمڑا، بال، ہڈی، گوشت کی تجارت نہیں کی جاسکتی، چہ جائے کہ پورے انسان کی تجارت کی جائے، یہ حکم زندہ، مردہ سب کے لیے ہے، وہ جس طرح زندگی میں قابل اکرام واحترام ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی محترم ہے، اسی لیے اس کے ساتھ کوئی ایسا کام نہیں کیا جاسکتا جو زندوں کے ساتھ ہم نہیں کرسکتے یہی وجہ ہے کہ اس تجارت کو روکنا بہت ضروری ہے، تاکہ انسانی اکرام واحترام کو باقی رکھا جاسکے۔

یادوں کے چراغ : مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا مفتی اعجاز ارشد قاسمی ہم تجھے بھلا نہ پائیں گے

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن، دارالعلوم دیوبند کے سابق میڈیا انچارج، پیس فاؤنڈیشن آف انڈیا نئی دہلی اور ابناء قدیم دارالعلوم دیوبند کے جنرل سکریٹری، قاسمی ایجوکیشن سوسائٹی دیوبند، متحدہ ملی مجلس نئی دہلی اور فتویٰ آن لائن کے صدر مفتی، مسلم یوتھ فار انڈیا کے کنویز، دہلی وقف بورڈ کے سابق ممبر، من شاہ جہانم جیسی مقبول کتاب کے مصنف، نوجوان اور نامور عالم دین، خوبرو، خوش وضع، خوش گفتار اور خوش کردار مولانا ڈاکٹر مفتی اعجاز ارشد قاسمی کا پون ہوسپٹل فرید آباد ہریانہ میں 17/اپریل 2021ء مطابق 4/رمضان 1442ھ بوقت بارہ بجے دن انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون جو سنا حیران و ششدر رہ گیا ان کی طبیعت چار روز قبل خراب ہوئی تھی بہت بخار میں مبتلا تھے رپورٹ کورونا پوزیٹو کا آ گیا تھا، گھر پر علاج و معالجہ سے افاقہ نہیں ہوا تو اسپتال کا رخ کیا کم وبیش بیس اسپتال کے چکر لگائے گئے؛ لیکن کہیں بھی بیڈ خالی نہیں تھا ضرورت آئی سی او کی تھی اور بیڈ بھی دستیاب نہیں تھا گھما پھرا کر پھر پون ہوسپٹل لے جایا گیا جہاں آئی سی یو کی سہولت نہیں ملی اور ان کا وقت موعود آ گیا، ہنستی، بولتی زندگی اچانک خاموش ہوگئی، ان کے سارے متعلقین اور احباب جن کے وہ کام آتے رہتے تھے اور جو انہیں ٹوٹ کر چاہتے تھے ہکا بکا رہ گئے، تعزیت کے الفاظ آنکھوں کے سیلاب میں اس طرح بہہ گئے کہ کسی کو کچھ کہنے کا یارا نہ تھا، کون تسلی دے اور کس کو تسلی دے سبھی تعزیت کے مستحق تھے اس کے علاوہ ان کے جنازہ کو ہوسپٹل سے باہر لانا دہلی سے بہار لے جانا ایک پریشان کن مرحلہ تھا اور اس مرحلہ کو پار گھاٹ لگانا آسان کام نہیں تھا اللہ نے اس کام کے لئے ان کے محبین کو کھڑا کر دیا آصف چودھری، مولانا اعجاز شاہین، مولانا عظیم اللہ، مولانا شمس تبریز قاسمی (ملت ٹائمس) مولانا خالد قاسمی اور مولانا ضیاء اللہ قاسمی نے حق تعلق ادا کیا میرے شاگرد مولانا اظہار الحق قاسمی ان حضرات کی ہمت اور حوصلے کو مہمیز کرتے رہے، اللہ نے ان حضرات کی کوششوں کو قبول کیا اور ہریانہ سے دہلی آئی ٹی او دفتر جمعیت علماء ہند اور پھر وہاں سے ان کے آبائی گاؤں مدھوبنی بہار کے چندرسین پور تک لانے کی شکل بن گئی، پہلی نماز جنازہ جمعیت کے دفتر آئی ٹی او واقع مسجد عبدالنبی کے باہری حصے میں ہوئی، مولانا کلیم الدین صاحب امام مسجد عبدالنبی نے پڑھائی جنازہ 18/اپریل کو ساڑھے تین بجے شام ان کے گاؤں پہونچا اور بعد نماز عصر ان کے چچا زاد بھائی قاری سیف الرحمٰن صاحب نے دوسری نماز جنازہ سنت کے مطابق غسل اور تجہیز و تکفین کے بعد پڑھائی کورونا کی وحشت اور دہشت کے باوجود بڑی تعداد میں لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی اور مفتی صاحب کے آخری سفر کے شاہد بنے پھر مقامی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، پس ماندگان میں اہلیہ دو لڑکا اور ایک لڑکی کو چھوڑا۔

مولانا مفتی اعجاز ارشد قاسمی بن عطاء الرحمٰن بن عبد الرزاق کی ولادت 6/مئی 1983ء کو اہل علم کی مشہور و معروف بستی چندرسین پور رہیکا ضلع مدھوبنی میں ہوئی اس گاؤں کا مدرسہ بشارت العلوم کھرما پترا دربھنگہ سے گہرا تعلق رہا ہے، ان دنوں مدرسہ کے مہتمم مولانا عتیق الرحمٰن چندرسین پوری کے تھے؛ چنانچہ مفتی اعجاز ارشد قاسمی کی ابتدائی تعلیم کے لئے مدرسہ بشارت العلوم کھرما پترا دربھنگہ کا انتخاب عمل میں آیا، ابتدائی تعلیم کے بعد انھوں نے اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور 1996ء میں سند فراغت حاصل کیا اپنی ذہانت فرماں برداری اور کتابوں سے شغف کی وجہ سے جلد ہی وہ اپنے اساتذہ کے منظور نظر ہوگئے، فراغت کے بعد ایک سال وہ تقابل ادیان کے شعبہ میں رہے، 1998ء میں انہوں نے تکمیل افتاء میں داخلہ لیا اور افتا کی سند حاصل کی، 1995ء میں انہوں نے جامعہ دینیات اردو سے اور فاضل دینیات 1998ء میں جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل 1999ء میں دارالعلوم دیوبند سے اردو صحافت 2000ء میں دارالعلوم سے ہی انگلش ڈپلوما کورس، 2007ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے بی اے، 2009ء میں دہلی یونیورسٹی سے ایم اے کیا، 2010ء میں یو جی سی کا نیٹ نکالا، 2011ء میں ایم فل اور پھر علماء دارالعلوم دیوبند کی اردو شاعری پر پی ایچ ڈی جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی سے کیا اور ادیب کامل کو چھوڑ کر سبھی امتحان میں ممتاز رہے

فراغت کے بعد اللہ رب العزت نے موقع دیا، 2000ء-2006ء تک دارالعلوم دیوبند کے انٹرنیٹ اور ویب سائٹ کے ساتھ میڈیا ترجمان کے طور پر بھی کام کرتے رہے، اسی دوران انھوں نے اردو صحافت کے رموز ونکات سکھانے اور بتانے والی کتاب من شاہ جہانم لکھی اور علماء کے درمیان اس کتاب کے حوالہ سے اپنی شناخت بنائی، اس کے علاوہ انھوں نے کئی مجلّات مثلاً عزم حسین، صبائے حرم کی ترتیب کا کام کیا، ان کی مطبوعہ دیگر کتابوں میں جہاد اور دہشت گردی، مدارس کی اردو صحافت، علماء دیوبند کی اردو شاعری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

مولانا مرحوم نے صحافت کے رموز شیخ الہند اکیڈمی میں مولانا کفیل احمد علویؒ سے سیکھے، مولانا بدرالدین اجمل صاحب کے مشورہ سے ایک سال نئی دنیا دہلی میں لگا کر پختگی حاصل کی، ہمارا سماج دہلی کے ایڈیٹوریل بورڈ سے جڑے، سرکار کے اطلاعات ونشریات کے ڈائریکٹریٹ میں شامل رہے اور جلد ہی انہوں نے صحافت کے میدان میں اپنا لوہا منوالیا۔

دہلی قیام کے دوران انہوں نے ملی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا اور جلد ہی اس میدان میں اپنی خدمات سے جگہ بنالی، وہ 2012ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ممبر بنے اور دہلی میں مختلف اجتماعات، سمینار، کانفرنس کر کے بورڈ کے کاموں کو تقویت پہونچائی، وہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سابق جنرل سکریٹری ساتویں امیر شریعت مفکر اسلام مولانا محمد ولی رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے معتمد تھے، جسٹس کاٹجو کو ڈاڑھی والے معاملے میں راہ راست پر لانے کا کام حضرت امیر شریعت کی ہدایت کے مطابق انہوں نے انجام دیا، حضرت امیر شریعت جس کام پر انہیں لگا دیتے لگ جاتے، بلکہ انکے دست وبازو بن جاتے گودی میڈیا نے جب طلاق وغیرہ پر سوالات کھڑے کرنے شروع کئے تو وہ ٹی وی مباحثہ میں حصہ لینے لگے، (بقیہ صفحہ 14 پر)

کتابوں کی دنیا : مولانا رضوان احمد ندوی

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

خطیب شہر کلکتہ- حضرت مولانا ابوسلمہ شفیع احمدؒ

حضرت مولانا ابوسلمہ شفیع احمد (1912-1985) اکیسویں صدی کے ایک عظیم و بلند پایہ عالم دین، نکتہ رس مفسر، نامور محقق ومصنف اور شیریں بیان خطیب ومقرر گذرے ہیں، گرچہ آپ کا آبائی وطن (محلّہ کلاں) بہار شریف نالندہ تھا، لیکن آپ نے شہر کلکتہ کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا، اور درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے ذریعہ سینکڑوں بندگان خدا کے دلوں کو علم ومعرفت سے منور کردیا، انہوں نے غالباً 28 سال تک شہر کلکتہ کے دھرم تلہ میدان میں نماز عیدین کی امامت کی، جس کے باعث آپ نے پورے ملک میں شہرت ومقبولیت پائی، آپ کی خطابت کی امتیازی شان کی تحسین فرماتے ہوئے حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے لکھا کہ

"آپ وعظ وخطابت میں خاصہ ملکہ رکھتے تھے، ان کی تقریر عالمانہ اور پر مغز ہونے کے علاوہ بڑی دل چسپ ہوتی تھی، اس لئے عوام وخواص دونوں طبقے ان کی تقریر کے شیدائی تھے، عیدین کے خطبات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے، ہزاروں مسلمان بڑے شوق وجذبے کے ساتھ مولانا کی تقریر سننے کی غرض سے کلکتہ میدان میں نماز عیدین ادا کرنے کا اہتمام کرتے تھے، نماز کے بعد خطبہ دینے کے لئے جب کھڑے ہوتے تو لاکھوں کے مجمع میں سکوت چھا جاتا تھا اور اشتیاق مجسم بن کر ہمہ تن گوش ہوجاتے (خطیب شہر کلکتہ صفحہ 126)

حضرت مولانا کے سانحہ ارتحال پر ہفتہ وار نقیب پھلواری شریف کے ادارتی نوٹ میں ایڈیٹر صاحب نے لکھا کہ مولانا مرحوم نے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی تنظیم نیز ان کی معاشرت کو درست کرنے کے لئے مختلف طرح کی اسکیمیں بنائیں، درس قرآن کے حلقے قائم کئے، مذہبی لٹریچر کی اشاعت کا سامان کیا، ہر طرح کے چھوٹے بڑے جلسوں میں شرکت کر کے سچے اور پکے مسلمان بننے کی تلقین کی، اسلام پر جب بھی کسی طرف سے حملہ ہوتا تو وہ تنہا اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہوجاتے اور دوسروں کو اس کی مدافعت کی دعوت دیتے (نقیب ۱۹۸۵)

زیر تبصرہ کتاب خطیب شہر کلکتہ حضرت مولانا ابوسلمہ شفیع احمد میں حضرت مولاناؒ کی انہیں ہمہ جہت دینی، علمی وفکری اور تحقیقی کارناموں پر عمدہ کلام کیا گیا، اس کتاب کو مولانا مفتی رشید احمد فریدی استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تاراج ضلع سورت نے مرتب کیا، جس میں انہوں نے مختلف ابواب کے ذیل میں آپ کے حالات زندگی، شخصیت وکردار، خاندانی کمالات، اکابر کے تاثرات، تعزیتی کلمات، اخبارات وجرائد کے انطباعات، دینی وعلمی خدمات وتصنیفات، افکار ونظریات اور امامت وخطابات کی خصوصیات جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے، کتاب کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود ان میں کسی طرح کی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا، اسلوب بیان میں جدت بھی ہے اور ندرت بھی، درج ذیل اقتباس مولف کتاب کی طرز نگارش اور ان کے منفرد انداز تحریر کا عکس ہے۔

"کسی شخص کے ظاہری قد وقامت اور خد وخال کو الفاظ کا جامہ پہنانا آسان ہے، مگر شخصیت کے اخلاق وکردار اور روح پرور زندگی کو نقوش کے سانچہ میں اس طرح ڈھالنا کہ نقوش کا لباس اسے زیب دے سکے اور قارئین پڑھ کر یا سن کر شخصیت سے متعارف ہوسکیں اور ان کے لباس تقویٰ سے کوئی نصیحت وعبرت کا پیوند اپنی زندگی کے دامن میں چسپاں کر کے اسے کارآمد بنالیں یہ کام اتنا سہل نہیں ہے جو بلا مشقت انجام پا جائے۔" (صفحہ ۱۸)

بلاشبہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک بڑا اور قابل قدر علمی کارنامہ ہے، جس کے لئے مؤلف کتاب ہم سبھوں کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں"، دراصل یہ کتاب 2009 میں رہنمائے دین وملت کے نام سے طبع ہوئی تھی، اب اس کا جدید ایڈیشن "خطیب شہر کلکتہ- حضرت مولانا ابوسلمہ شفیع احمدؒ" کے نام سے منظر عام پر آیا ہے، سرسری طور پر مطالعہ سے محسوس ہوا کہ مضامین کی ترتیب میں جس نوعیت کی فنکارانہ مہارت کو بروئے کار لانے کی ضرورت تھی اس کے فقدان کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے، ایک اور بات یہ ہے کہ مولانا گرچہ شہر کلکتہ کے خطیب تھے، مگر ان کے زور خطابت کا شہرہ پورے ملک میں تھا، اس لئے کتاب کو صرف خطیب شہر کلکتہ سے موسوم کرنا میرے خیال میں ان کی شخصیت کے دائرے کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ البتہ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب حضرت مولانا کی زندگی کا اچھا مرقع ہے، اور اصحاب فضل وکمال کے لئے قیمتی سرمایہ ہے، کتاب پر حضرت مولانا طلحہ بن ابوسلمہ ندوی کا عالمانہ وفاضلانہ مقدمہ لائق تحسین اور قابل قدر ہے، ان کے پیش لفظ سے کتاب کی افادیت ونافعیت دوچند ہوگئی۔ 160 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی طباعت اور کاغذ قدرے ٹھیک ہے، میرے پیش نظر نسخہ کے بعض صفحات کے حروف مٹے مٹے سے ہیں، اللہ نہ کرے کہ دوسرے نسخے بھی ایسے ہی ہوں۔

دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے کتاب کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا، اور ایک بڑا علمی کارنامہ انجام دیا۔ توقع ہے کہ محنت شاقہ اور جذبہ خلوص سے تحریر کی ہوئی یہ تالیف مؤلف موصوف کے لئے توشہ آخرت ثابت ہوگی، سیرت وسوانح سے دلچسپی رکھنے والے، ارباب فکر ونظر علم دوست اصحاب کو یہ کتاب ضرور پڑھنا چاہیے، خواہشمند حضرات ادارہ ترجمہ وتالیف 28/H/15 سر سید احمد روڈ کولکاتہ 14 کے پتہ پر رابطہ کریں، بصورت دیگر مؤلف کتاب کے موبائل نمبر 9924848101 پر گفت وشنید کریں، ویسے کتاب پر قیمت اس لیے درج نہیں ہے کہ یہ کتاب فیاض احمد اور رضوان اشرف کلکتہ کے تعاون سے شائع ہوئی، اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

حکایات اہل دل

✍: مولانا رضوان احمد ندوی

بزرگان دین کی رواداری، شرافت اور عدل پروری سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے، چنانچہ اس موضوع پر ماضی میں ہمارے اکابر نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ابھی حالیہ دنوں میں ایک نئی علمی کاوش ''مطالعہ سیرت وتاریخ وتہذیب'' کے نام سے منصۂ شہود پر آئی ہے، جسے جناب ڈاکٹر پروفیسر محسن عثمانی ندوی نے مرتب کی ہے، اس کتاب کے ۷/ابواب ہیں اوراس کا ہر باب تاریخ اور تہذیب کی عکاسی کرتا ہے، اس کے چوتھے باب میں اسلامی تاریخ کے ایسے متعدد حیرت انگیز موثر واقعات بیان کئے گئے ہیں، جن سے شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں مدد ملتی ہے، حکایات اہل دل کے اس کالم کے لئے اسی باب سے کچھ پھول ہم نے چنے ہیں، جو قارئین کی نذر رہے۔

صحابہ کرام کی فیاضی اور سخاوت: حضرت انسؓ مشہور صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے مجمع کے سامنے منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: لوگو! اللہ نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا ہے، اس لئے اسلام میں سخاوت اور فیاضی اور حسن اخلاق کے ساتھ اچھی زندگی گزارو، غور سے سنو! سخاوت جنت کا ایک درخت ہے اوراس کی ٹہنیاں دنیا میں جھکی ہوئی ہیں، لہذا تم میں سے جو شخص سخی اور فیاض ہوگا وہ اس درخت کی ٹہنی کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہوگا، اور یوں ہی اسے پکڑے رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہونچا دے گا، غور سے سنو! کنجوسی دوزخ کا ایک درخت ہے اور اس کی ٹہنیاں دنیا میں جھکی ہوئی ہیں، لہذا جو دنیا میں کنجوس ہوگا وہ اس درخت کی ٹہنی کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہوگا اور وہ یوں ہی اسے پکڑے رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں پہونچا دے گا، پھر آپ نے دو مرتبہ فرمایا: تم لوگ اللہ کی وجہ سے سخاوت کو اختیار کرو اور نجات کے راستے کو اختیار کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام سخیوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی تربیت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ بھی بے حد سخی تھے، سخاوت کی تربیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو دی تھی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کے پاس گئے، تو دیکھا کہ ان کے پاس کھجور کے چند ڈھیر ہیں، آپ نے پوچھا اے بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ سارا انتظام آپ کے مہمانوں کے لئے ہے، وہ جب بھی آئیں گے، ان کے سامنے کھجوریں پیش کی جائیں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ دوزخ کی آنکھ کا دھواں تم تک پہونچ جائے، یعنی اگر تم خرچ کرنے سے پہلے مر گئے تو ان کھجوروں کے بارے میں تم سے سوال ہوگا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں مجھے حکم دیا کہ جو سونا ہمارے پاس ہے، میں اسے صدقہ کردوں، چوں کہ حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی وجہ سے ان کی خدمت میں مشغول تھیں، اس لئے انہیں صدقہ کرنے کی فرصت نہ ملی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس سونے کا کیا کیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں آپ کی خدمت میں لگی رہی اور بھول گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سونے لے آؤ، چنانچہ وہ سب دینار لے آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجھے احد پہاڑ کے برابر سونا اور چاندی مل جائے اور مرتے وقت اس میں سے میرے پاس ایک قیراط بچا ہوا ہو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرے پاس دینار اور درہم میں سے کچھ بھی نہ ہو۔

صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرامؓ کا مزاج بنایا تھا، حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عثمانؓ سے کہا ارے مال والو نیکیاں تم لے گئے ہو کہ تم لوگ خوب صدقہ کرتے ہو، غلاموں کو آزاد کرتے ہو اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتے ہو، اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا تم لوگ ہم پر رشک کرتے ہو، لیکن خدا کی قسم اگر کوئی آدمی اپنی تنگ دستی کی حالت میں ایک درہم بھی خرچ کرے گا تو ہم مالداروں کے دس ہزار درہم سے بہتر ہے، کیوں کہ ہم بہت زیادہ دولت سے تھوڑا سا حصہ دیتے ہیں، اس لئے وہ زیادہ بہتر ہے جس کے پاس دولت نہیں ہے، پھر بھی وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

قرآن کی آیت ''لَنۡ تَنَالُوۡا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ'' (تم نیکی کو نہیں پاسکو گے یہاں تک کہ تم اس چیز کو خرچ نہ کرو، جس سے تمہیں محبت ہے) جب نازل ہوئی، تو صحابہ کرامؓ نے اپنی محبوب ترین متاع اللہ کی راہ میں لٹا دی، کسی نے اپنی باندی کو آزاد کیا، کسی نے اپنی اونٹنی دے دی، کسی نے اپنا قیمتی ہار صدقہ کردیا، کسی نے اپنا باغ جو اسے بہت محبوب تھا، اللہ کے راستے میں دے دیا، گویا اللہ کے راستے میں خرچ کرنا اور صدقہ کرنا صحابہ کرامؓ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔

حضرت امام اوزاعیؒ کی حق گوئی اور بے خوفی: حضرت امام اوزاعیؒ بنی امیہ اور بنی عباس کے دور کے ممتاز عالم، فقیہ اور محدث تھے، انہوں نے وہ زمانہ دیکھا تھا جب بنی امیہ کی حکومت ختم ہو چکی تھی اور ان کے ہزاروں امراء، سلطنت اور حامیوں کو قتل کیا گیا تھا، عبداللہ سفاح عباسی نے بنوامیہ کی لاشوں پر بنوعباس کی سلطنت قائم کی، انہوں نے ۳۸/ہزار آدمیوں کا قتل کیا تھا، وہ جب اقتدار کے تخت پر بیٹھا اور اپنے شاہانہ محل میں داخل ہوا تو اس نے اپنے خادم سے یہ سوال کیا کہ کیا سلطنت میں کوئی شخص ایسا ہے جو میرے طرز عمل کا ناقد اور مخالف ہو، جواب ملا ہاں، ایک شخصیت امام اوزاعی کی ہے، جو برملا آپ کو برا کہتے ہیں، اس نے حکم دیا، انہیں حاضر کیا جائے، خلیفہ کے حکم پر امام اوزاعیؒ کو دربار میں پیش کیا گیا، امام اوزاعیؒ نے دربار میں حاضر ہونے سے پہلے شہادت کی تیاری کی، غسل کیا اور کفن کے کپڑے پہن لئے اور اس کے اوپر اپنا لباس پہن کر دربار میں حاضر ہوئے، عبداللہ عباس نے امام اوزاعی کو خوفزدہ کرنے کے لئے دونوں جانب جلادوں کو ننگی تلوار لے کر کھڑے ہوجانے کا حکم دیا، امام اوزاعیؒ باوقار طریقہ سے دربار میں داخل ہوئے، انہوں نے بعد میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ دربار میں داخل ہوتے وقت میرے تصور میں اللہ تعالیٰ کا عرش تھا اور اس کی کبریائی تھی، مجھے خلیفہ ایسا لگ رہا تھا، جیسے کوئی مکھی حقیر وذلیل بیٹھی ہوئی ہو، خلیفہ نے پوچھا ''تم ہی اوزاعی ہو'' امام اوزاعی نے جواب دیا کہ ''لوگ مجھے اوزاعی کہتے ہیں'' امام اوزاعی کے تیور دیکھ کر خلیفہ کو غصہ آگیا اور پوچھا کہ ''میں نے ہزاروں ظالم وجابر بنوامیہ کا خاتمہ کردیا، تمہارا میرے اس عمل کے بارے میں کیا خیال ہے''؟

جناب امیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**انما الاعمال بالنیات**'' یعنی تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے'' امام اوزاعیؒ کا جواب سن کر خلیفہ اور غضب ناک ہوگیا اور بولا ''صاف صاف بتاؤ میں نے ہزاروں انسانوں کا خون بہایا ہے، تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے''؟

امام اوزاعیؒ نے جواب دیا کہ آپ ہی کے جد امجد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ تین اسباب کے تحت کسی کی جان لینا درست ہے، اس نے کسی کا ناحق قتل کیا ہو، یا شادی شدہ ہوتے ہوئے اس نے زنا کیا ہو یا اس نے دین اسلام سے ارتداد اختیار کیا ہو، خلیفہ کے غصہ کا پارہ چڑھ گیا اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اب امام اوزاعیؒ کا قتل یقینی ہے، لوگوں نے کوشش کی کہ اپنے کپڑے سمیٹ لیں اور کپڑوں کو خون کے چھینٹوں سے بچالیں، امام اوزاعیؒ نے مزید کہا کہ ''جو جان ومال آپ نے بنوامیہ کا لیا ہے، اگر یہ ان کے پاس حرام کا تھا تو یہ آپ کے لئے بھی حرام ہے اور اگر یہ ان کے پاس حلال تھا تو یہ آپ کے لئے حق شرعی کے بغیر حلال نہیں ہوسکتا ہے'' امام اوزاعیؒ کی زبان پر مسلسل یہ الفاظ تھے ''حَسۡبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَھُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ'' خلیفہ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی، اس نے درہم ودینار سے بھری ہوئی، ایک تھیلی اچھال کر پھینکی اور کہا یہ لو اور دفع ہوجاو، امام اوزاعی نے پوری تھیلی اہل دربار کے سامنے انڈیل دی اور کشیدہ قامت بلند سر عزت کے ساتھ دربار سے چلے گئے، سبق یہ ہے کہ اہل ایمان کبھی موت سے نہیں ڈرتے اور حاکم کے خلاف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرسکتے ہیں۔

جو شخص پیر پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلایا کرتا: شیخ سعید کا دور بہت پرانا نہیں ہے، یہ عرب حاکم ابراہیم پاشا کے زمانہ کی بات ہے، ابراہیم پاشا ترکی کے خلیفہ سلیمان اعظم کے وزیر تھے اور سلیمان اعظم کی طرح کے سپرد جاہ وجلال کے مالک تھے، سلیمان اعظم نے شام اور کئی عرب ملکوں کی عمل داری ان کے سپرد کی تھی اور وہ جب شام آئے تو شام کے تمام اہل وجاہت تمام علماء ابراہیم پاشا کے دربار میں آئے اور اپنی وفاداری کا اظہار کیا، کوئی قابل ذکر شخصیت ایسی نہیں تھی، جس نے ابراہیم پاشا کے دربار میں حاضری نہیں دی ہو اور اگر کوئی شخص ابراہیم پاشا کی دست بوسی کے لئے حاضر نہیں ہوتا تو اسے مخالف اور باغی سمجھا جاتا اور اسے سزا دی جاتی، جب ملک شام کے تمام شہروں کے اہل علم اور اہل مال وثروت اور عہدیدار نے آکر اپنی وفاداری رکارڈ کرائی تو ابراہیم پاشا نے اپنے ماتحتوں سے پوچھا ملک میں کیا اب بھی کوئی قابل ذکر شخص ہے جو دربار میں حاضر نہ ہوا ہو، لوگوں نے کہا حلب کے فلاں محلّہ میں ایک بزرگ ہیں، جو نہیں آئے، ابراہیم پاشا نے طے کیا کہ وہ خود ان کے پاس جائے گا، حلب کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ ابراہیم پاشا خود آئے گا اور سعید حلبی سے ملاقات کرے گا، کیونکہ وہ ابراہیم پاشا سے ملاقات کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے، لوگ خوف زدہ تھے کہ ابراہیم پاشا آج حلب کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا، ابراہیم پاشا حلب آیا اور سعید حلبی سے ملنے کے لئے ان کی مسجد میں داخل ہوا، سعید حلبی اپنے تلامذہ کے سامنے اللہ کی کبریائی کے موضوع پر درس دے رہے تھے، ابراہیم پاشا محفل میں شریک ہوا، شیخ سعید حلبی نے اپنی ٹانگ حاکم کی طرف پھیلا رکھی تھی، ابراہیم پاشا پر شیخ کی تقریر کا بہت اثر ہوا، درس کے بعد واپس ہوا اور گھر جاکر اس نے سونے کی اشرفیوں (دینار) کا ایک بڑا تھیلا ایک شخص کے ذریعہ شیخ سعید حلبی کے پاس بھیجا، شیخ نے یہ کہہ کر دیناروں کی تھیلی واپس کردی کہ کہہ دو ''جو شخص پیر پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلایا کرتا''۔

حضرت لیثؒ کی سخاوت اور فیاضی: حضرت لیثؒ بہت سخی اور فیاض بزرگ تھے، ان کی سالانہ آمدنی ہر سال اسی ہزار دینار تھی، مگر کبھی ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، اس لئے کہ وہ اپنی ساری آمدنی ضرورتمندوں کو دے دیا کرتے تھے اور اس قدر سخاوت کرتے تھے کہ لوگوں کو دینے کے لئے قرض لیا کرتے تھے اور ہمیشہ مقروض رہتے تھے، ایک عورت حضرت لیث کے پاس ایک پیالی لے کر آئی کہ مجھے تھوڑے سے شہد کی ضرورت ہے، اگر آپ کے پاس ہو تو مرحمت فرمادیجئے، انہوں نے ایک مشک کے بقدر شہد اس کے حوالے کردیا، کسی نے کہا کہ اس نے تو تھوڑا سا شہد مانگا تھا، آپ نے کہا اس نے اپنی حاجت کے بہ قدر مانگا تھا، لیکن مجھ پر اللہ نے جو احسان فرمایا ہے مجھے اس کے بقدر اس کو دینا چاہئے۔

سلطان محمد تغلق کی انصاف پسندی کی مثال: سلطان محمد تغلق، تغلق خاندان کا مشہور حکمراں ہوا ہے، اس کے مزاج میں جدت پسندی بھی تھی اور ہنرمندی بھی تھی اور بہادری بھی تھی، بلاشبہ بغاوتوں کو دبانے میں اس نے تشدد اور سخت گیری کا رویہ اختیار کیا، لیکن عام حالات میں اس کے اندر شرافت، عدل پسندی اور رواداری تھی، اس کی انصاف پسندی کا تذکرہ مشہور سیاح ابن بطوطہ (متوفی ۱۳۷۸ء) نے کیا ہے، اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا کہ ایک ہندو امیر نے قاضی کی عدالت میں یہ شکایت کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بلاسبب مار ڈالا ہے، عدالت کی نظر میں تو سب برابر ہوتے ہیں، چنانچہ قاضی نے سلطان محمد تغلق کو اپنی عدالت میں طلب کیا، وہ بغیر کسی غرور وپندار کے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوگیا اور سلطان نے پہلے قاضی کو یہ کہلا بھیجا کہ جب وہ عدالت میں حاضر ہو تو اس کی تعظیم بالکل نہ کی جائے اور اس کے ساتھ مدعی کے ساتھ برابری کا معاملہ کیا جائے، سلطان قاضی کے سامنے حاضر ہوا، قاضی نے سلطان کے خلاف پورے مقدمے کی سماعت کی اور آخر میں اس نے اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ سلطان یا تو مدعی کو راضی کرلے اور اسے خون بہا قبول کرنے پر آمادہ کرلے، ورنہ سلطان کے خلاف قصاص کا حکم نافذ ہوگا، سلطان نے کسی طور سے مدعی کو راضی کرلیا اور اس طرح سے اس کی گلوخلاصی ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کو بھی انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا تھا، اور سلطان کو بھی انصاف کے فیصلے کو قبول کرنا تھا، یہ واقعہ جسے ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے دور حکومت میں عدل وانصاف کرنے میں ہندو اور مسلمان کے درمیان تفریق نہیں کی جاتی تھی۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین دہلی کے عہد میں ہندو حکومت کے تمام ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے، سلطان محمد تغلق کے عہد میں نظام سلطنت چلانے میں بہت سے ہندو شریک تھے، سلطان کے ایک ہندو وزیر کا نام سائے راج تھا اور سلطان محمد تغلق نے جب دیوگھر کا وزیر عماد الملک کو بنایا تو اس کا نائب وزیر دھارا کو مقرر کیا، دیوان وزارات کے عہدے پر بھی ایک ہندو تھا، جس کا نام پیرامالی تھا، اس طرح سے کئی اہم عہدوں پر غیر مسلم مقرر تھے اور یہ اس کی رواداری کا معاملہ تھا، ورنہ خود وہ ذاتی طور پر شریعت کا پابند تھا اور احکام شرع کی پابندی کی سخت تاکید کرتا تھا، بیماری میں بھی روزہ قضا نہیں کرتا تھا اور مسلمانوں کو باجماعت نماز کا حکم دیتا تھا اور فسق وفجور سے پرہیز کرتا تھا اور وہ کلام پاک کا حافظ بھی تھا، ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب میں یہ سب باتیں اس کے بارے میں بیان کی ہیں، ایک ہندو مؤرخ پروفیسر ایشوری پرشاد نے سلطان محمد تغلق کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''ہندوؤں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جانے لگا اور حکمراں طبقہ کو بھی رواداری اور معاشرتی یگانگت کا احساس پیدا ہوگیا، حکمراں کو ایسی پالیسی اختیار کرنی پڑی کہ وہ خود بھی رہے اور دوسروں کو بھی رہنے دے، اسی محمد بن تغلق نے ہندوؤں کے خلاف کوئی نازیبا روش نہیں اختیار کی، بلکہ اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کے عہدے دئے، اس نے ستی کی رسم پر قدغن لگایا جو اس کی روشن خیالی کی دلیل ہے''۔

تعصب اور تنگ نظری کے خول سے نکلئے

قاضی مجاهد الاسلام قاسمیؒ

بے یقینی، بے خبری، بے عملی اور تعصب وتنگ نظری کسی بھی فرد، جماعت، امت اور قوم کے لئے زوال کی بنیاد ہے، بے یقینی یعنی اعتقاد کی کمزوری، بے خبری یعنی اپنے گردوپیش سے بے خبر رہنا ہے، بے عملی یعنی صحیح سمت میں صحیح اقدام سے گریز، عملی جدوجہد سے فرار اور تعصب وتنگ نظری یعنی فرد یا جماعت کا اپنے ذاتی اغراض اور گروہی مفادات کو ملی اور اجتماعی مفاد پر ترجیح دینا، حق کو اپنے اندر محدود سمجھنا، اچھے کاموں میں تعاون سے گریز اس لئے کہ یہ کام دوسروں کے ہاتھوں ہورہا ہے، کسی کام کی مخالفت، اس لئے نہیں کہ وہ غلط ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ کسی اور ''بینر'' کے تحت ہورہا ہے۔

آج کا ہندوستانی مسلم معاشرہ جن نازک اور پیچیدہ حالات سے گذر رہا ہے، وہ روز بہ روز نازک ہوتے جارہے ہیں، لیکن انتہائی بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری صفوں میں انتشار بھی روزافزوں ہے، بنیادی طور پر ہم ''بے یقینی'' کا شکار ہیں، ''بے خبری'' ہماری امتیازی صفت ہے، گردوپیش میں کیا ہورہا ہے، ماحول میں ہمارے خلاف کس کس طرح کی سازشیں رچی جارہی ہیں، کتنی زیرزمین تحریکیں اسلام اور مسلمانوں کی جڑیں اکھاڑ دینے کے لئے چلائی جارہی ہیں، ہم ان تمام چیزوں سے بے خبر ہیں اور ہم اس قدر بے حس ہیں کہ اگر خبر ہو بھی تو ہمارے پاس کوئی فکر نہیں، منصوبہ بندی نہیں، عملی جدوجہد نہیں، جو لوگ ذرا حساس ہیں بھی تو وہ اپنی اپنی گروہ بندی اور اپنے اپنے جماعتی حصار کے قیدی ہیں، ملت کے مفاد سے زیادہ انہیں فرد، گروہ اور جماعت کا مفاد عزیز ہے اور پھر یہ تعصب اس قدر بڑھتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خلاف کردارکشی کی مہم شروع کردیتے ہیں۔

ہمیں پختہ اعتقاد اور اخلاص کی تعلیم دی گئی ہے، فرد ہو، کوئی گروہ یا کوئی جماعت، اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی رضا کو ہی سب کچھ سمجھے اور جو کرے محض اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کرے، حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم فراست مومن کا حوالہ دیا گیا ہے اور ''لایلدغ المؤمن من جحر مرتین'' (مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاسکتا) اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمہ دم اپنے گردوپیش سے باخبر رہنا اور منافقین وکفار کی سازشوں سے باخبر رہنے کی کوشش فرمایا، کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ہمہ دم حالات پر گہری نظر رکھنی چاہئے اور معاملات میں فراست ایمانی کا ثبوت دینا چاہئے۔

قرآن کریم نے جس طرح عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیا ہے اور خود قرآن نے غزوۂ فکری (فکری اور نظریاتی جہاد) یعنی ''جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' کی تلقین کی ہے، کیا ہمارے لئے اس کی گنجائش ہے کہ اسلام کے خلاف چاروں طرف فکری اور عملی جنگ برپا ہو اور ہم نہ صرف یہ کہ بے حس اور بے عمل رہیں بلکہ آپس کے تنازعات میں الجھ کر اپنی قوتِ عمل اور اپنی صلاحیت کار خود ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں، شخصیتیں جو برسہا برس میں بنتی ہیں ان کا اثر ورسوخ ملت کا قیمتی سرمایہ ہے، ہم ان شخصیتوں کی کردارکشی کرکے اپنے ہاتھوں خود اپنی عزت کے ان میناروں کو منہدم کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ''تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (نیکی وتقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا، گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرنا) کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کہیں بھی کسی کے ہاتھوں بھی اگر کوئی کار خیر ہورہا ہو تو اس کے ساتھ ہمارا ایمانی فریضہ ہے کہ ہم تعاون کریں، تعاون فکری ہو یا عملی، اس کا معیار صرف یہ ہے کہ ہم پرکھیں اور جانچیں کہ یہ کام نیکی اور تقویٰ کا ہے یا نہیں، یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم دیکھیں کہ یہ کام کس کے ہاتھوں ہورہا ہے اور کس کے جھنڈے کے نیچے ہورہا ہے، ایسا سونچنا انتہائی درجہ کا تعصب اور تنگ نظری ہے، جس کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، امت کو کلمہ کی بنیاد پر جمع کیا جانا چاہئے، اور کاموں میں تعاون بر وتقویٰ اور خیر کی بنیادوں پر کیا جانا چاہئے، نظریات کے پیمانہ پر بھی حق کو اپنے اندر ایسے امور میں محدود جاننا جو منصوص قطعی نہیں، بلکہ محلِ اختلاف ہوسکتے ہیں اور ان میں دو رائے ہوسکتی ہے، بالکل صحیح نہیں۔

یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ ہم کام اسلام کے نام پر کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی واضح تعلیمات سے گریز کرتے ہوئے ایسے ملی کاموں میں تعاون سے لوگوں کو روکتے ہیں جو سراسر خیر ہیں اور محض اس لئے روکتے ہیں کہ وہ کام ان لوگوں کے ہاتھ ہورہا ہے جو ہمارے ہم مسلک اور ہمارے ہم جماعت نہیں ہیں، یہ صورت حال امت کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔

مسلم مسائل میں ڈیٹا مینجمنٹ کا اہتمام ہو

عمیر انس

موجودہ ترقیاتی پالیسیوں کا سب سے بنیادی اور سب سے اہم پہلا قدم یہ ہے کہ آپ کی معاشی وسماجی مسائل کے بارے میں جانکاری اعداد وشمار کی شکل میں اور تفصیلی شکل میں دستاویز کی جائے۔ اگر آپ کے مسائل شمار نہیں کیے جارہے ہیں تو آپ کو اندھیرے میں رکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ مسلمان بہت ترقی کررہا ہے لیکن ثبوت مانگیں تو ایک نہیں۔ ایک جمہوری ملک کے شہری کا حق ہے کہ اس کو ترقیاتی کاموں میں امتیاز اور تفریق کا نشانہ نہ بننا پڑے اور اس کے لیے دستور یہ کہتا ہے کہ کسی بھی شہری کو اس کے مذہب، فرقہ، زبان، جنس، علاقے سمیت کسی بھی وجہ سے تفریق کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ دلتوں اور قبائلی افراد کے ساتھ تفریق جاری تھی تو سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ حکومت کے سبھی فائدوں کو ان تک پہنچانے کے لیے ان کے لیے الگ سے اعداد وشمار جمع کرنے شروع کیے گئے، اب ستر سالوں میں انہیں کس مہینے، کس ضلع میں کتنا فائدہ ملا ہے، اس کا ثبوت دینا بہت آسان ہے۔

پچھلی حکومتوں میں مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچائے جانے کا پروپیگنڈہ کیا گیا تاکہ کانگریس حکومت کو مسلم پرست ثابت کرکے اس کو ہندو رائے دہندگان سے متنفر کیا جاسکے اور اس میں کافی کامیابی بھی ملی۔ ہارنے کے بعد کانگریس رہنما اے کے انٹونی نے کہا کہ کانگریس کو مسلم پرست شبیہ سے باہر نکلنا ہوگا۔ اس کے بعد تقریباً سبھی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے اپنے پروگراموں میں مسلمان چہرے دور کردیے، اپنی تقریروں میں مسلمانوں کے بارے میں بولنا بند کردیا، اپنے اخباری بیانات میں مسلمانوں سے متعلق سخت سے سخت حادثے پر خاموشی اختیار کرنے لگے۔ لیکن حقیقت سب کو معلوم تھی کہ مسلمان کو کسی حکومت نے سوائے ٹوکن کارڈ کے کوئی باقاعدہ فائدہ پہنچانے کی کوشش نہیں کی ہے، خود سچر کمیٹی کے بعد بھی کانگریس حکومتوں نے اس بات کی پروا نہیں کی کہ مسلمانوں کے معاشی، سماجی مسائل کو اسی طرح سے دستاویز کیا جائے جیسے دلتوں کے ہوتے ہیں۔ لیکن زمینی حقیقت یہ تھی کہ مسلمانوں کو ہاتھی کی پونچھ کے برابر بھی حصہ نصیب نہیں ہوا تھا، کوئی عام ہندو جسے لگتا ہو کہ کانگریس اور سماج وادی وغیرہ جماعتوں نے مسلمانوں پر سرکاری خزانے کھول دیے تھے، انہیں کسی بھی ایک مسلم محلے میں لے کر جائیں اور دکھائیں کہ مسلمانوں کی اصل حالت کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ملک میں یہ تاثر عام ہوگیا کہ مسلمانوں کو خوب ملا اور مسلمانوں کی مسیحائی کا دعویٰ کرنے والی جماعتوں نے فوراً اپنے دروازے مسلمانوں کے لیے بند کردیے اور زبانوں سے لفظ مسلمان لینا بند کردیا کہ کہیں ان پر مسلم نوازی کا الزام عائد نہ ہوجائے، لیکن مسلم سیاستداں اور مسلمانوں سے ہمدردی کا دعویٰ کرنے والی جماعتیں بڑی آسانی سے رد کرسکتی تھیں، ان کے پاس حکومت سے ملنے والے ہر ایک فائدے میں مسلم اور غیر مسلم فائدہ اٹھانے والوں کی مکمل معلومات تھی، ملازمت، بینکوں سے قرض، سڑکیں، مکان، اسکول، اسپتال، وظیفے، تجارتی امداد وغیرہ ہر شعبے کی معلومات مسلمانوں کے پاس ہونی چاہیے تھی، لیکن ان کی جماعتوں کے پاس ایسی کوئی معلومات نہیں تھی، نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان غریب ہیں لیکن عوام کی اکثریت ان کو امداد کا مستحق نہیں سمجھتی بلکہ جو کچھ ہے اسے بھی چھین لینے کی حمایت کرتی ہے، یہ سارا معاملہ اس وجہ سے ہے کہ مسلمان تنظیمیں اور قائدین اپنے کاموں میں قابل اعتبار معلومات جمع کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

مثلاً یہ بات کہ مسلمان انتخابی اعتبار سے بہت ساری نشستوں میں موثر ہیں لیکن ان کے سیاستدانوں میں متعین اعداد وشمار اور معلومات حاصل نہ کرنے اور اس کے مطابق اقدامات کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے وہ روایتی سیاست میں مصروف ہیں اور پورے ملک کو ایک ہی سیاسی یونٹ کی طرح سے ایک ہی قسم کی تقریروں اور موضوعات سے متاثر کرنے کی مہم چلاتے ہیں، ظاہر ہے کہ جیتنے والی جماعتیں ہر نشست کی الگ الگ حکمت عملی بنانے کا اہتمام کرتی ہیں اور ملکی سطح پر الگ، یہ سب ممکن ہوتا اگر مسلم سیاست دانوں میں ڈیٹا جمع کرنے اور اس کا موثر استعمال کرنے کا اہتمام کیا جاتا، یہی نہیں بلکہ خود اپنے قیمتی سرمایہ کو ملی فلاح کے لیے پورے خلوص کے ساتھ خرچ کرنے والوں کے ساتھ بھی یہی پریشانی ہے کہ وہ کروڑوں روپے خرچ کرتے رہتے ہیں اور نتائج نہیں حاصل ہوتے کیونکہ بیشتر اہم پروجیکٹس پر پیسہ لگانے سے پہلے اس کا بنیادی سطح کا تجزیہ کرنے کا اہتمام نہیں ہوتا۔

مسلم دانشوروں کو یہ محسوس کرنے کی ضرورت ہے کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے زمانے میں معلومات یا ڈیٹا سب سے بڑی دولت یا سرمایہ ہے، آپ جتنی زیادہ معلومات جتنے بہتر طریقے سے جمع کرسکتے ہیں اور اس کا تجزیہ کرنے والے سافٹ ویئر اور طریقوں کے ذریعہ انہیں سمجھ سکتے ہیں تو آپ محض دو چار مہینوں کے نہیں بلکہ دو چار دہائیوں کے ٹرینڈ اور ضرورتوں کی پیشین گوئی کرسکتے ہیں، اگر مسلم ادارے معلومات کی بنیاد پر اپنے تجزیے کرنے کا اہتمام کرتے تو ان کے لیے بھی یہ جاننا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا کہ انہیں کب کہاں کتنے انٹر کالج، کتنے مدرسے، کتنے انجینئرنگ اور کتنے میڈیکل کالجز کی ضرورت پڑنے والی ہے۔ یہ معلوم کرنا بالکل ممکن ہے کہ کس علاقے میں کس قسم کا انویسٹمنٹ کرنے سے کس طرح کی معاشرتی خوبیاں یا خرابیاں پھیل سکتی ہیں۔ یہ جاننا بالکل ممکن ہے کہ مسلمانوں کی فی کس آمدنی آئندہ کتنے سالوں میں کتنی ہوسکتی ہے اور کون سے علاقے کے مسلمان کس کس میدان میں نمایاں ہوسکتے ہیں، یہ باتیں حکومتوں کو بھی معلوم ہیں اور پرائیویٹ کمپنیوں کو بھی معلوم ہیں، لیکن کیا ہم اور آپ معلومات کے اس دور میں معلومات کو اسی طرح منظّم اور موثر انداز سے استعمال کرنے کی کوشش کے لیے تیار ہیں، اس کے لیے ابتدائی اقدامات بہت معمولی ہوں گے، ہر ادارے میں ایک شخص معلومات جمع کرنے کے لیے مختص ہو، اس کو ڈیٹا مینجمنٹ کی بنیادی ٹریننگ دلائی جائے، اس کو ڈاکیومنٹیشن کی بنیادی تربیت دی جائے اور اپنے اداروں کی ضرورتوں کے مطابق معلومات جمع کرنے اور اس کو اسٹور کرنے اور اس کو حسب ضرورت استعمال کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ بیحد اہم ہے اور بیحد آسان بھی اور بہت زیادہ سستا بھی، بس کرکے دیکھنے بھر کی ضرورت ہے۔

گلوبلائزیشن کے نام پر اوپن مارکیٹنگ کی سنہری زنجیریں

محمد فاروق اعظمی

مارکیٹنگ علم معاشیات کا ایک خاص موضوع ہے جس کا مفہوم بازار کے عام مفہوم سے ذرا مختلف ہے۔علم معاشیات کے بارے میں اتنا اور جان لینا ضروری ہے کہ یہ ایسا علم ہے جو' کیا ہے؟' اس کا جواب دیتا ہے۔' کیا ہونا چاہیے؟' اس سے بحث نہیں کرتا۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ علم اخلاقیات اور انسانی اقدار سے بحث نہیں کرتا۔اس علم کی ساری سرگرمیاں مادی منفعت، مادی وسائل، مادی طلب اور مادی مسابقت کے گرد گھومتی ہیں۔علم معاشیات کی اس مختصر سی وضاحت سے اس بات کے سمجھنے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہ جاتا کہ مارکیٹنگ کا موجودہ سارا نظام مادی منفعت کے گرد گھومتا ہے جو اسلامی نظام اقتصادیات سے قدم قدم پر متصادم ہے۔موجودہ معاشی نظام بڑا پیچیدہ ہے۔بعض ممالک میں آزاد سرمایہ دارانہ نظام معیشت ہے۔ بعض ممالک میں مخلوط معیشت (Mixed Economy) رائج ہے اور کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں اشتراکی نظام معیشت کارفرما ہے۔ان نظام ہائے معیشت کی تفصیل میں جانا ہمارے دائرہ تحریر سے باہر ہے۔صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ مارکیٹنگ کے سارے مسائل انہیں نظام ہائے معیشت کی پیداوار ہیں۔

علم معاشیات میں مارکیٹنگ کا مفہوم کیا ہے؟ مارکیٹ کسی خاص جگہ کو نہیں کہتے جہاں خرید وفروخت کرنے والے جسمانی طور پر یکجا ہوکر خرید وفروخت کرتے ہیں۔خرید وفروخت کا عمل فون اور فیکس کے ذریعہ دنیا کے کسی بھی گوشے سے ہوسکتا ہے گویا کہ پوری دنیا ایک مارکیٹ میں تبدیل ہوگئی ہے جسے دور جدید کے دانشوروں نے گلوبلائیزیشن یا عالمگیریت کا نام دیا ہے۔اس گوبلائزیشن نے جدید مارکیٹنگ کے کیا کیا امکانات پیدا کئے ہیں؟ اس کے پیچھے کیا عوامل کارفرما ہیں؟ کون لوگ اس بازاری نظام کی پشت پر ہیں؟ اس مارکیٹنگ کا اصل ہدف کیا ہے؟ اس کے کیا اثرات مرتب ہورہے ہیں؟ کون سے عوامل جدید مارکیٹنگ کے فروغ میں معاون ہیں؟ اس کے مقابلے میں اسلامی نظام معیشت اور نظام بازار کا کیا موقف ہے؟ ان تمام سوالات کا جواب پانے کے لیے ہمیں سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے کلیدی ممالک، امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی وغیرہ کی اس ذہنیت کو سامنے رکھنا ہوگا جس کے ذریعہ وہ آج عالم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نت نئی سازشیں رچنے، نئے عالمی نظام قائم کرنے اور اپنی تہذیبی وثقافتی بالادستی کو مسلط کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اہل مغرب نے گوبلائزیشن کی خوشنما اصطلاح بڑے شاطرانہ انداز میں وضع کی ہے۔اس کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ اپنی مصنوعات کو دنیا کی مارکیٹ میں لانچ کریں بلکہ معاشی بالادستی کے ساتھ سیاسی فوجی، ثقافتی اور تہذیبی بالادستی کے نشانے بھی (Targets) متعین ہیں جن کا اصل ہدف عالم اسلام اور مسلمان ہیں۔

سن اسی (80) کی دہائی سے قبل دنیا دو عظیم سپر طاقتوں میں منقسم تھی۔ یہ دو طاقتیں امریکہ اور روس کی تھیں جو دوسری جنگ عظیم کے بعد وجود میں آئی تھیں۔ دونوں کی طرز معیشت اور طرز حکومت الگ الگ تھی۔ روس میں اشتراکیت اور اشتراکی نظام معیشت رائج تھا۔ جب کہ امریکہ میں جمہوریت تھی اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت قائم تھا۔ پوری دنیا ان دونوں بلاکوں کے حلقہ اثر میں بٹی ہوئی تھی۔ کچھ روس کے زیر اثر تھے کچھ امریکہ کے ہمنوا تھے۔ کچھ ایسے ممالک بھی تھے جو ناوابستہ ممالک کی فہرست میں آتے تھے۔ دونوں طاقتوں کے درمیان عرصہ تک سرد جنگ جاری رہی، یہاں تک کہ سن نوے کی دہائی میں روس کا شیرازہ اپنے ہی جابرانہ نظام حکومت اور طرز معیشت کے ہاتھوں بکھر گیا۔اور اب وہ اپنی سپر طاقت کی حیثیت کھو بیٹھا۔اب دنیا میں اگر کوئی حریف توانا تھا تو وہ عالم اسلام تھا جس کا اپنا نظام حیات، نظام معیشت، طرز حکمرانی، تہذیب وتمدن، ادب وثقافت، طاقت اور دولت اور قدرتی وسائل و ذرائع سبھی کچھ تھے۔ امریکہ کی پشت سے جھانکتا ہوا یہودی لابی کا کریہہ چہرہ مدتوں سے عالم اسلام پر آنکھ جمائے بیٹھا تھا کہ کب اسے موقع ملے اور کب وہ انہیں اپنے خونی پنجے میں دبوچ لے۔ افغانستان، عراق، ایران اور دیگر مسلم ممالک کے ساتھ امریکہ اور اس کی حواریوں کا جو رویہ ہے وہ بہت پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہے اور اس کے پیچھے مضبوط یہودی لابی کا ہاتھ ہے۔

کسی ملک کی قوت وطاقت کا راز اس کے معاشی استحکام، فوجی بالادستی اور جدید اسلحوں کے ذخائر پر ہے۔ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ دار ملک ہے وہ سب سے زیادہ امپورٹ اور ایکسپورٹ کرنے والا ملک ہے اس لیے دنیا میں سب سے وسیع مارکیٹ اسی کی ہے۔اسی کی دولت مندی کے پس پشت صیہونی مارواڑیوں کا زبردست ہاتھ ہے۔ یوروپ اور امریکہ میں جتنے بڑے بڑے بینک مالیاتی ادارے یا ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں ان سب پر ان کا قبضہ ہے۔ برطانیہ میں بینک آف انگلینڈ یہودیوں کا ہے، نیویارک کا مشہور بینک CITI Bank، CHASE اور MORGAN عظیم ترین یہودی بینک کارراک فیلر کے بینک ہیں۔ عالمی بینک World Bank بین الاقوامی مالیاتی ادارہ (I.M.F) یا عالمی ادارہ تجارت (WTO) وغیرہ پر یہودیوں کا غلبہ ہے۔ وہی اس کے صلاح کار اور منصوبہ ساز ہیں۔ان کی پوری کوشش ہے کہ عالم اسلام اور بالخصوص عالم عرب کی معیشت کو اپنے شکنجے میں لے لیں۔ اپنی اس چال میں وہ بہت حد تک کامیاب ہیں۔ چنانچہ 1973ء میں شاہ فیصل نے اسرائیل کے تمام حلیفوں بشمول امریکہ کو جب تیل کی سپلائی بند کردی تو یہودیوں اور مغربی ممالک کے لیے یہ ایک بہت بڑا جھٹکا تھا۔تیل کی قیمت میں زبردست اضافہ ہوگیا۔اس طرح ساری دنیا کی دولت سیلاب کی طرح عرب ملکوں کے پاس آنے لگی اور وہ مغرب کی تمام ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کھڑے کھڑے خریدنے کی پوزیشن میں آگئے لیکن بجائے اس کہ وہ اس دولت سے اپنے یہاں اسلحے کی فیکٹریاں قائم کرتے اور نئی نئی صنعتوں کو فروغ دیتے وہ اس رقم سے مغربی ملکوں کی کمپنیوں کے حصص خریدنے لگے اور باقی دولت یوروپ اور امریکہ کے بینکوں میں انڈیلنے لگے جو تمام کے تمام یہودی بینک تھے۔ کویت کی ساری رقم برطانیہ کے 'بینک آف انگلینڈ' اور نیویارک کے 'CITI Bank' اور CHASE کے حوالے ہوگئی۔ سعودی حکومت کی دولت CHASE، MIDLAND اور MORGAN بینکوں کے حوالے ہوگئی۔یعنی عربوں نے جو رقم مغربی ملکوں سے کمایا تھا وہ انہیں کے بینکوں میں پہنچ گئی۔ یوں کہیے کہ عربوں کی معاشی رگ پنجہ یہود میں ہے۔ادھر 11 ستمبر 2006 کے بعد عالمی سیاست میں جو تبدیلی آئی ہے امریکہ نے کڑا رخ اپناتے ہوئے بہت سے عرب سرمایہ کاروں کے کھاتے منجمد کردیئے ہیں۔اب لوگوں کے کان کھڑے ہوئے ہیں اور وہ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اپنے اثاثے نکال لیں۔ اس بدلی ہوئی صورت حال میں امریکہ اور ان کے حواری، غریب اور پسماندہ ممالک کے مفادات مصالح کی پرواہ کیے بغیر ان کی معیشت کو کنٹرول کرنے اور ان کے وسائل ومعدنی ذخائر پر قبضہ جمانے نیز وہاں کے خام مال کو اونے پونے خریدنے اور اپنے تیار شدہ مال کو اونچے داموں میں فروخت کرنے کے منصوبے پر کاربند ہیں۔

آج گلوبلائزیشن کے نام پر اوپن مارکیٹ کی سنہری زنجیریں ترقی پذیر ممالک کے گلے کا طوق بن رہی ہیں۔ یہ کمزور اور ترقی پذیر ممالک کو نگل جانے کے منصوبے ہیں۔ یہ لوگ کھسوٹ کا نیا انداز، دجل وفریب کی نئی تکنیک، غریب ملکوں کی دولت ہتھیانے کا نیا ڈھب اور ترقی پذیر ملکوں کو اپنا معاشی غلام بنانے کا نیا طریقہ ہے۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) انٹرنیشنل مانٹری فنڈ (IMF) اور ورلڈ بینک (WB) مغربی قوموں اور بالخصوص صیہونیوں کے ہتھکنڈے ہیں جن کے ذریعہ غریب اور پسماندہ ممالک کی معیشت کو یرغمال بنایا جاتا ہے۔ پہلے انہیں ترقیاتی کاموں کے فروغ کے لیے رقمیں قرض دی جاتی ہیں پھر قرض اور سود کے شکنجوں میں جکڑ کر سالہا سال تک ان کا خون چوسا جاتا ہے اور انہیں بے دام اپنا غلام اور تابع فرمان بنالیا جاتا ہے۔ یہ بینکنگ سسٹم یہودیوں کی دین ہے۔ بینک کا سارا کاروبار سودی نظام پر قائم ہے۔

آج کی تجارت اور کاروبار میں زبردست مسابقت پائی جاتی ہے۔ ہر پیداکار (Producer) یا کمپنی اپنی اشیاء صرف کی وسیع مارکیٹنگ کے لیے بینکوں سے سودی قرض لینے پر مجبور ہوتی ہے۔بینکوں نے اس قسم کی بہت سی پرکشش قرض کی قلیل مدتی اور طویل مدتی اسکیمیں بنا رکھی ہیں۔جن میں کچھ سبسیڈی کی چاشنی بھی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں قریب قریب تمام کاروباری طبقہ کسی نہ کسی طرح سود کی لعنت میں مبتلا ہے۔ جب کہ اس سلسلہ میں اسلام کا موقف بالکل صاف ہے۔ اسلام نے سود کو قطعا حرام ٹھہرایا ہے۔ جو لوگ کسی بھی قسم کے سودی کاروبار میں معاونت کرتے ہیں وہ خدا کے غیظ وغضب اور اس کے جوش انتقام اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کی زد میں آتے ہیں۔سود کے بڑے مفاسد ہیں۔ یہ طاقتور کے مفاد کے لیے غریب کا خون چوس لینے کا نام ہے۔اس سے سرمایہ اور محنت کی کشمکش پیدا ہوتی ہے۔کمزوروں کا استحصال ہوتا ہے۔سرمایہ چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں آمدنی اور دولت کی تقسیم میں نابرابری کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔اس سے حرص وہوس، بخل، دنائت، خودغرضی اور ذیل خصائص کے جراثیم پروان چڑھتے ہیں۔انسانی شرافت اور ہمدردی کا غمگساری اور پاکیزہ اخلاق پامال ہوتے ہیں۔سود کے لین دین سے فرد ومعاشرے کا ضمیر مردہ ہوجاتا ہے اور پورا انسانی معاشرہ مردہ اور بے ضمیر بن جاتا ہے۔اسلام نے اسے اس لیے حرام ٹھہرایا ہے کہ اسلام عدل وانصاف اور مساوات کا زبردست حامی ہے۔ یہ جس حسن اخلاق اور اوصاف حمیدہ سے انسان اور انسانی معاشرہ کو متصف دیکھنا چاہتا ہے سودخوروں کی دنیا میں دور دور کہیں اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔

یہ کہنا غلط ہے کہ آج کے زمانے میں بینک اور سودی کاروبار کے نظام کے بغیر کسی اور نظام پر عالمی معیشت کا ڈھانچہ کھڑا ہی نہیں ہوسکتا۔ یہ محض ایک واہمہ ہے یا بینک کاروں اور سرمایہ داروں بالخصوص صیہونی مارواڑیوں کے پرفریب پروپگنڈوں کا کرشمہ کہ لوگوں نے بینک کاری سسٹم کو اپنے کاروبار کا ملجا وماوی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اسلام کے پاس ایسا ٹھوس معاشی نظام موجود ہے جو سود سے پاک مضبوط بنیادوں پر قائم ہے جس میں تمام اعلی انسانی اقدار وشرافت اور پاکیزہ اوصاف کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔شرط صرف اس کی نیک نیتی سے اس کے نفاذ اور اس پر عمل درآمد کرنے اور کرانے کی ہے۔ کھلے بازار کا مطلب یہ ہے کہ امیر ممالک اپنی کمپنیوں اور اپنی مصنوعات کو آزادانہ طور سے غریب اور ترقی پذیر ممالک میں لانچ کرنے کے مجاز ہوں گے اور مقامی لوگوں کو روزگار فراہم کرنے اور اس ملک کی معیشت کو مضبوط کرنے کا لالچ دے کر اپنی تجارت اور مصنوعات کو فروغ دیں گے اور یہی غریب اور ترقی پذیر ممالک اگر کسی ترقی یافتہ ملک میں اپنی مصنوعات کی مارکیٹ بنا چاہیں تو انہیں دسیوں قانونی اینچ پینچ میں الجھا کر اور معیار اور عدم معیار کا جھانسہ دے کر ان کے لیے راستہ مسدود کردیں گے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کمزور ممالک کی پوری مارکیٹ پر غیر ممالک کی مصنوعات چھا جائیں گی اور وہاں کی مقامی صنعت دم توڑ دے گی۔

کیوں کہ مقامی مصنوعات معیار اور مسابقت میں ان کے سامنے ٹک نہ سکیں گی۔اوپن مارکیٹ کا لازمی نتیجہ غیر ملکی کمپنیوں کی مصنوعات کے فروغ اور داخلی مصنوعات یا گھریلو صنعتوں کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔اس طرح اجارہ داری اور ارتکاز دولت کو فروغ ہوگا۔ جو اسلامی معیشت کی روح کے خلاف ہے۔اسلام اجارہ داری کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ چند ہاتھوں میں دولت کا سمٹ کر رہ جانا بھی اسلامی عدل ومساوات کے اصول کے منافی ہے۔جیسا کہ شروع میں کہا گیا کہ موجودہ مارکیٹنگ سسٹم کا کوئی اخلاقی معیار نہیں ہے۔اس کا کوئی معیار ہے تو بس زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانا ہے، چاہے جائز طریقہ سے ہو یا ناجائز طریقہ سے، صحیح طریقہ سے ہو یا غلط طریقہ سے، دجل وفریب سے ہو یا عیاری ومکاری سے ہو۔موجودہ مارکیٹنگ سسٹم کسی قسم کی اخلاقی قیود کی پابند نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سامراجی سرمایہ داریت میں عورت بھی ایک کامس ڈی ٹی (Commsdity) یا بکاؤ مال ہے۔

اوپن مارکیٹنگ کا نظام یوں تو پوری دنیا کے لیے ہے جس کی چودھراہٹ کی لگام امریکہ کے ہاتھ میں ہے مگر اس کا خاص ہدف مسلم ممالک ہیں جہاں صرف اشیائے صرف (Consumers Goods) کی نئی نئی قسمیں ہی متعارف نہیں کرائی جارہی ہیں بلکہ شعوری طور سے مغربی افکار وخیالات، تہذیب وتمدن، طرز حکمرانی، طرز معاشرت، طرز رہائش وآداب خورد ونوش اور مغربی آداب زندگی کو بھی منتقل کیا جارہا ہے۔اس کے لیے رسائل وجرائد، اخبارات، ٹی وی، انٹرنیٹ غرض یہ کہ پورا پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا شب وروز تہذیبی وثقافتی یلغار میں مصروف ہیں اور کوشش میں ہیں کہ ہمارے جسموں سے ہماری کھال اتار لیں، ہمارا تشخص اور ہماری پہچان چھین لیں اور ہمارے درمیان اباحیت پسند اور تباہ کن افکار ونظریات کو رواج دیں۔ جدید مارکیٹنگ کے پیچھے نظریاتی یلغار کا جو سلسلہ جاری ہے وہ انتہائی خطرناک اور سنگین مسئلہ ہے۔

اخبار جہاں

محمد عادل فریدی

امریکہ میں برفانی طوفان سے نظام زندگی درہم برہم

امریکہ میں ایک شدید برفانی طوفان نے ملک کے شمالی اور بالائی مغربی علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔تیز ہواؤں اور شدید برفباری کے باعث ۲۲رفروری کو ویسٹ کوسٹ اور گریٹ لیکس کے درمیاں ایک وسیع رقبے پر دوفٹ تک برف کھڑی ہوگئی۔اس برفانی طوفان کی وجہ سے ہوائی سفر میں رکاوٹوں کا بھی سامنا رہا۔ساتھ ہی ہزاروں گھروں کو بجلی کی فراہمی معطل ہوگئی اور سینکڑوں اسکول بند رہے۔امریکی ویب سائٹ پاور آؤتیج ڈاٹ یوایس کے مطابق اس دوران لاکھوں مکانات اور دیگر املاک کو بجلی کی فراہمی تعطل کا شکار رہی۔مڈویسٹ میں منیاپولس کا شہر اس طوفان سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والے علاقوں میں شامل ہے، جہاں تقریبا 20 انچ برف باری کے ساتھ 45 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائیں چلیں۔اس صورتحال کے پیش نظر وہاں وائٹ آؤٹ ہونے کا بھی خدشہ ہے۔اس طوفان کے امریکہ کی دیگر ریاستوں کی طرف بڑھنے کی توقع کی جارہی ہے اور اس بنا پر حکام نے 50 ملین سے زائد شہریوں کے لیے خراب موسم کا انتباہ جاری کیا ہے۔(ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)

مصر میں موٹاپے سمیت متعدد بیماریوں کے شکار افراد کے حج پر جانے پر پابندی

مصر میں موٹاپے سمیت دیگر کئی بیماریوں کے حامل افراد پر حج پر جانے پر پابندی عائد کردی گئی۔عالمی خبر رساں ادارے کے مطابق مصر کی وزارت صحت کے ترجمان حسام عبدالغفار کا کہنا ہے کہ رواں سال صرف ان عازمین کو حج کے لیے اجازت دی جائے گی جو دائمی یا متعدی امراض میں مبتلا نہ ہوں اور جن کی عمریں 12 سال سے زیادہ ہوں۔علاوہ ازیں ان لوگوں کی ترجیح دی جائے گی جو پہلی بار حج کرنے جارہے ہوں۔مصر کی وزارت صحت کے ترجمان نے کہا کہ بیماریوں کی کیٹگری بنائی گئی ہے ان بیماریوں میں مبتلا افراد کو حج پر جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ترجمان نے تصدیق کی کہ سعودی حکومت کی گائیڈ لائن کے تحت اس سال حج کے خواہشمند مصری شہریوں کو کورونا، گردن توڑ بخار اور موسمی فلو کی مکمل ویکسینیشن کرانا لازمی ہوگا۔علاوہ ازیں سعودی عرب جانے والے عازمین کو کیو آر کوڈز کے ساتھ کورونا ویکسینیشن سٹرٹیفکیٹ جمع کرانا ہوگا تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ انہوں نے کورونا کی بوسٹر ڈوز 6 ماہ اور گردن توڑ بخار کی ویکسین زیادہ سے زیادہ 10 دن قبل لگوائی ہو۔وزارت صحت کے ترجمان نے اس بات کی تصدیق کی کہ حج کے خواہش مند فربہ افراد پر بھی پابندی ہوگی۔اس کے علاوہ ٹیومر، الزائمر، دل اور خون کی شریانوں کی بیماریوں، کینسر، پھیپھڑوں کے فائبروسس کے مریض اور گردے کے جو ڈائیلاسز پر ہوں، ان پر پابندی ہوگی۔مصری حکام کا کہنا ہے کہ پابندیوں کے حوالے سے ہونے والی پیشرفت میں حاملہ خواتین پر بھی حج پر جانے پر پابندی عائد ہوسکتی ہے۔(نیوز ایکسپریس)

اقوام متحدہ میں روس کیخلاف مذمتی قرارداد پاس

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کثرت رائے سے منظور ہونے والی مذمتی قرارداد میں روس سے فوری طور پر اپنی فوجیں یوکرین سے نکالنے اور جنگ بندی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔عالمی خبر رساں ادارے کے مطابق اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ہونے والے اجلاس میں روس کے خلاف مذمتی قرارداد کی 141 ممالک نے حمایت کی جب کہ 7 ممالک نے مخالفت کی۔مذمتی قرارداد کی مخالفت کرنے والے ممالک روس، بیلاروس، شمالی کوریا، اریٹیریا، مالی، نکاراگوا اور شام تھے جب کہ چین، جنوبی افریقا، پاکستان، بھارت اور ایران سمیت 32 ممالک نے قرارداد میں حصہ نہیں لیا۔قرارداد میں یوکرین کے چار بڑے علاقوں کو متنازع ریفرنڈم کے ذریعے اپنی ریاست میں ضم کرنے کے روسی دعوے کو مسترد کرتے ہوئے یوکرین کی 'خودمختاری' اور 'علاقائی سالمیت' کی حمایت کی توثیق کی گئی۔اقوام متحدہ کی قرارداد میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ روس فوری اور مکمل طور بغیر کسی شرط کے تمام فوجی دستے یوکرین سے اپنی بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ سرحدوں کے اندر واپس بلائے۔(نیوز ایکسپریس)

اخلاص کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں: حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی

دارالعلوم الاسلامیہ امارت شرعیہ میں ختم بخاری شریف کے موقع پر حضرت امیر شریعت کا بصیرت افروز خطاب

ہر عمل کا لازمی عنصر اخلاص وللٰہیت ہے، اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی بہت ہوتا ہے، بغیر اخلاص کے کثیر عمل بھی ضائع ہوجاتا ہے اور اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، اس لیے اپنے ہر عمل میں اخلاص پیدا کیجئے، جب تک دل صاف نہیں ہوگا اور خلوص کے ساتھ کاموں کو نہیں کریں گے، سب بیکار رہے، اللہ کے دربار میں کسی بھی عمل کو قبولیت اسی وقت حاصل ہوگی جب اس میں اخلاص کا سرمایہ ہوگا۔بغیر اخلاص کے علم، شہادت اور سخاوت جیسے جنت میں لے جانے کا باعث بننے والے خیر کے اعمال بھی اللہ کے دربار میں رائیگاں ہوجائیں گے۔یہ نصیحت آمیز خطاب امیر شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ وسجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب نے مورخہ 19 فروری 2023 روز اتوار کو دارالعلوم الاسلامیہ امارت شرعیہ میں ختم بخاری شریف کے موقع پر بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیتے ہوئے فرمایا۔اجلاس کے صدر مفکر ملت حضرت امیر شریعت نے دارالعلوم الاسلامیہ سے فارغ ہونے والے 09 طلبہ کو بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیتے ہوئے، اپنی سند کے ساتھ احادیث بیان کرنے اور پڑھنے، پڑھانے کی اجازت دی۔آپ نے اپنی سند بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے حدیث پڑھانے اور بیان کرنے کی اجازت حاصل ہے، حضرت مولانا محمد یحیٰ ندوی مدظلہ سے، انہیں اجازت حاصل ہے حضرت مولانا عبداللطیف رحمانی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حدیث پڑھی ہے حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی سے اور انہوں نے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے احادیث بیان کرنے اور پڑھنے، پڑھانے کی سند حاصل کی ہے۔برصغیر میں احادیث کی تمام اسناد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ہی ملتی ہیں۔ان سے آگے کی سند اس طرح مذکور ہے: (۱) الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۲) الشیخ ابو طاہر المدنی رحمۃ اللہ علیہ (۳) الشیخ ابراہیم الکردی رحمۃ اللہ علیہ (۴) الشیخ احمد القشاشی رحمۃ اللہ علیہ (۵) الشیخ احمد بن عبد القدوس الشناوی رحمۃ اللہ علیہ (۶) الشیخ شمس الدین محمد بن الرملی رحمۃ اللہ علیہ (۷) شیخ الاسلام زکریا بن محمد الانصاری رحمۃ اللہ علیہ (۸) الشیخ احمد بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۹) الشیخ ابراہیم بن احمد التنوخی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰) الشیخ احمد بن ابی طالب الحجار رحمۃ اللہ علیہ (۱۱) الشیخ حسین بن مبارک الزبیدی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲) الشیخ عبدالاول بن عیسی الہروی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳) الشیخ عبدالرحمٰن بن مظفر الداؤدی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴) الشیخ عبداللہ بن احمد السرخسی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵) الشیخ محمد بن یوسف الفربری رحمۃ اللہ علیہ (۱۶) الشیخ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ

اس موقع پر حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ امام بخاری نے آخر میں جس حدیث کو بیان کیا، اس میں خاص طور پر اس پہلو کو ملحوظ رکھا کہ اللہ کے یہاں حسن نیت، اخلاص نیت کے بعد کردار کی بلندی ہی معیار ہوگا اور میزان میں یہ سب سے زیادہ بھاری عمل ہوگا۔انہوں نے بچوں سے افہام وتفہیم کے پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ الفاظ ومعنی تطبیق وتجزیہ اور تحقیق کا مزاج بنانے کی ضرورت ہے۔

دارالعلوم الاسلامیہ کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد منت اللہ قاسمی نے بخاری شریف کی آخری حدیث پر محدثانہ ومحققانہ کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ بخاری شریف قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے، اس لیے کہ اس میں امام بخاری نے سند کے لحاظ سے پہونچنے والی لاکھوں حدیثوں میں سے چند ہزار حدیثوں کو جمع کیا ہے، اسی وجہ سے اس کتاب کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔آپ نے بھی اپنی سند کے ساتھ طلبہ کو حدیث بیان کرنے کی اجازت دی، آپ کی سند اس طرح ہے: مفتی محمد منت اللہ قاسمی عن شیخ نصیر احمد خان عن شیخ الاسلام حسین احمد مدنی عن شیخ الہند محمود حسن دیوبندی عن مولانا محمد قاسم نانوتوی عن مولانا عبدالغنی مجددی عن شیخ محمد اسحاق الدہلوی عن الشیخ عبدالعزیز الدہلوی عن الشیخ الامام ولی اللہ محدث الدہلوی رحمہم اللہ اس سے آگے کی سند اوپر مذکور ہوچکی۔

حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی نائب امیر شریعت بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ واستاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند نے فرمایا کہ ہمارے اکابر نے دارالعلوم الاسلامیہ کو پروان چڑھانے کے سلسلہ میں جو خواب دیکھا تھا وہ ان شاءاللہ شرمندۂ تعبیر ہوگا، آج جو طلبہ ہمارے یہاں سے فارغ ہوکر جارہے ہیں وہ قوم کے معمار ہیں، اور قوم کو ان پر بہت بھروسہ ہے، حضرت نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ دین کی سربلندی کے لیے خدمت کرنے کا اپنا مزاج بنائیں، اپنے سماج اور معاشرہ میں آپ جائیں اور انہیں دین کے بنیادی علم سے آشنا کریں، دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ اور طلبہ کے سلسلہ میں مزید فرمایا کہ وہ دیگر جگہوں کے مقابلہ میں بہت ممتاز ہیں، اس لیے کہ اس ادارہ کا رشتہ امارت شرعیہ سے جڑا ہوا ہے۔دارالعلوم الاسلامیہ کے سکریٹری مولانا سہیل احمد ندوی صاحب نے آنے والے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے مدرسہ کا تعارف اور اس کے احوال وکوائف پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ابھی مدرسہ کی سب سے بڑی ضرورت ہاسٹل کی تعمیر ہے، طلبہ ٹین کی شیڈ میں رہتے ہیں، جو پریشانی کا باعث ہے، اگر آپ حضرات نے تھوڑی سی محنت کرلی تو یہ ہاسٹل تعمیر ہوجائے گا، اور اللہ آپ کو جزائے خیر دے گا۔اجلاس کے مہمان خصوصی قاری محمد بن حسان مکی امام وخطیب جامعہ المنصور مکۃ المکرّمہ نے بھی ایمان وعمل کی درستگی اور تقویٰ اختیار کرنے کے تعلق سے قیمتی نصیحتیں کیں اور انہیں کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔اس اجلاس ختم بخاری کے موقع سے مولانا مشیر عالم قاسمی استاذ دارالعلوم الاسلامیہ کی دو کتابوں جدید سائنس اور جدید حساب کا اجرا بھی حضرت امیر شریعت اور دیگر علماء کرام کے ہاتھوں عمل میں آیا۔اجلاس کی نظامت دارالعلوم الاسلامیہ کے استاذ حدیث مولانا مفتی شکیل احمد قاسمی نے کی، اجلاس کا آغاز قاری محمد بن حسان مکی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا جبکہ دارالعلوم کے دو طالب علموں رحمت اللہ پورنوی اور سلمان دربھنگوی نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کرنے والے طلبہ کو سند فضیلت اور اجازت حدیث کے ساتھ معارف الحدیث مکمل سیٹ اور خلعت بطور تحفہ عنایت کی گئیں۔جن خوش نصیب طلبہ نے اس بار دورہ حدیث شریف پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی ان کے نام محمد عثمان بھاگل پور، محمد شاہد حاجی پور، محمد توقیر عالم بیگوسرائے، محمد غفران دربھنگہ، ابوسفیان گڈا، محمد ابوذر کٹیہار، محمد کاشف ویشالی، محمد عبیداللہ دبرا، سہرسہ اور محمد اطہر امام بیگوسرائے ہے۔اس موقع پر بارہ حفاظ کرام کی دستار بندی بھی ہوئی جن کے نام محمد سہیل، محمد عارف، محمد صابر، محمد عادل (پٹنہ)، محمد سعد، محمد سلمان، محمد دلنواز (ارریہ)، محمد حفظ الرحمٰن، اسرار الحق، محمد امان اللہ (سوپول)، ابو حنیفہ پورنیہ اور عزیر رشید گڈا ہیں۔ان طلبہ کو حضرت امیر شریعت اور دیگر علماء کرام کے ہاتھوں دستار باندھی گئی اور انعامات سے نوازا گیا۔اس سے قبل طلبہ کی انجمن بزم قاضی مجاہد الاسلام کے تحت ان طلبہ نے جنہوں نے تقریری مسابقہ میں پوزیشن حاصل کی تھی اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور ہندی زبان میں تقریری پروگرام بھی پیش کیا، اردو تقریر عبیدالرب دربھنگوی، محمد عبیداللہ سہرساوی اور رحمت اللہ دربھنگوی نے پیش کی، جبکہ راشد دربھنگوی نے فارسی، محمد معتضد باللہ دربھنگوی نے انگریزی، زعیم الحق پورنوی نے عربی اور انس عبداللہ نالندوی نے ہندی زبان میں تقریر کی، طلبہ کے اس پروگرام کی نظامت راشد سیتامڑھی نے کی جبکہ اس پروگرام کا آغاز عبداللہ جہان آبادی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، جبکہ رحمت اللہ پورنیہ اور سلمان دربھنگوی نے نعت شریف پیش کیا۔اس اجلاس میں قائم مقام ناظم امارت شرعیہ مولانا محمد شبلی القاسمی، مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ مولانا مفتی یحیٰ غنی، مولانا ڈاکٹر شکیل احمد قاسمی، مولانا اعجاز احمد قاسمی سابق چیئر مین مدرسہ بورڈ، جناب احسان الحق صاحب رکن شوریٰ امارت شرعیہ، جناب انجینئر اجرالحسن صاحب، جناب عبدالوہاب انصاری سابق اے ڈی ایم، مولانا رضوان احمد ندوی معاون مدیر نقیب، مولانا محمد ابوالکلام شمسی معاون ناظم امارت شرعیہ، مولانا شمیم اکرم رحمانی معاون قاضی شریعت، داکٹر وسیم احمد رحمانی سہرسہ، مولانا حافظ احتشام رحمانی رکن شوریٰ امارت شرعیہ، مولانا منہاج عالم ندوی، جناب ڈاکٹر سید نثار احمد ایڈمنسٹریٹر ایم ایم رحمانی پارامیڈیکل، جناب عرفان احمد پرسنپل آئی سی ای، جناب اعجاز احمد صاحب، مولانا سید محمد عادل فریدی، صبغۃ اللہ رحمانی مظفرپور کے علاوہ عوام وخواص کی بڑی تعداد شریک رہی، اجلاس کو کامیاب بنانے میں دارالعلوم الاسلامیہ کے تمام ذمہ داران، اساتذہ، ملازمین اور طلبہ نے اہم کردار ادا کیا۔

ملی سرگرمیاں

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

خواتین اور جوانوں میں دینی بیداری ایک اہم ملی ضرورت: مفتی محمد سہراب ندوی

خواتین معاشرہ کا نصف حصہ ہیں، اور ہمارے نوجوان ملت کا قیمتی اثاثہ اور معاشرہ کا سب سے مضبوط ستون، ان دونوں طبقے کے اندر دینی بیداری لائے بغیر معاشرہ میں دینی بیداری اور عملی انقلاب کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔ ضرورت ہے کہ ترجیحی طور پر خواتین کے اندر اسلامی شعور اور دینی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، چھوٹے چھوٹے گھریلو اجتماعات اور گھروں میں کم از کم نصف گھنٹہ کا حلقہ تعلیم منعقد کر کے اس کو بآسانی کیا جا سکتا ہے، امارت شرعیہ نے اصلاح معاشرہ کی موجودہ تحریک میں اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ شامل کیا ہے اور ہر آبادی کے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ بہر صورت خواتین کے لئے کم از کم ماہانہ دینی اجتماع ضرور منعقد کریں، مرد حضرات، جمعہ، جلسہ و اجتماع اور عید و دیگر پروگراموں میں دینی باتیں سنتے ہیں، لیکن خواتین ایسے پروگراموں میں عام طور پر شریک نہیں ہو پاتیں، جبکہ گھر کے اندر دینی ماحول قائم کرنے کے لئے خواتین کا دیندار ہونا لازمی وضروری ہے، اسی طرح معاشرہ کے نوجوان ہی معاشرہ کے سب سے مضبوط ستون ہیں، اگر یہ طبقہ دین کے رنگ میں رنگ جائے اور اسلامی تعلیمات پر عمل کا پرچم اٹھائے، تو یقیناً سماج کے ہر طبقہ پر اس کا اثر پڑے گا، اور سماج کی تصویر بدلنے میں دیر نہیں لگے گی۔ ان خیالات کا اظہار امارت شرعیہ کے نائب ناظم مفتی محمد سہراب ندوی صاحب نے سبل بیگھہ جموئی، پیر اپگارونگری اور بندھا میں منعقد ہونے والے اجلاس میں عوام وخواص کے ایک بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا، انہوں نے کہا کہ امیر شریعت مفکر ملت حضرت مولانا سید احمد ولی فیصل رحمانی مدظلہ کی ہدایت پر امارت کا یہ دعوتی وفد ۱۸/فروری سے ضلع جموئی کے دورہ پر ہے اور یہ دورہ ۲۶/فروری تک جاری رہے گا، ان اجلاسات میں مفتی صاحب نے امارت کے نظام کی اہمیت اور اس کی خدمات نیز امارت شرعیہ کی تعلیمی تحریک پر بھی روشنی ڈالی۔ قاضی شریعت ضلع جموئی مولانا نعمان اختر قاسمی، مولانا عبداللہ جاوید ثاقبی صاحب امارت شرعیہ نے اجلاس سے خطاب کیا، انہوں نے امارت شرعیہ کی خدمات اور اس کے پیغام کو عوام وخواص تک پہونچایا اور بتایا کہ زندگی کی کامیابی کا راز اسلامی طریقے پر چلنے میں ہی ہے، مولانا مزمل حسین قاسمی مبلغ امارت شرعیہ نے نظامت کے فرائض انجام دیئے اور مولانا بشیر الدین قاسمی صاحب کی تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز ہوا، مولانا ارشاد رحمانی اور مقامی علماء وخواص کی محنت اور ان کی غیر معمولی عقیدت ومحبت سے یہ اجلاس کامیاب ہوا، آخر میں قائد وفد کی دعا پر اس اجلاس کا اختتام ہوا۔

وفاق المدارس سے ملحق مدارس کے سالانہ امتحان کا آغاز

وفاق المدارس الاسلامیہ امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ سے ملحق مدارس کے سالانہ امتحانات ۲۵رفروری سے شروع ہو چکے ہیں، طلبہ میں ایک جوش اور ولولہ ہے کہ وہ پورے بہار کے ملحق مدارس کے ساتھ اجتماعی نظام امتحان میں شریک ہو رہے ہیں، اس سے ان کی صلاحیت کا مقابلہ دوسرے مدارس کے طلبہ سے بھی ہوگا اور وہ اپنے مدارس کے طریقۂ تعلیم کے مؤثر اور مفید ہونے کا عملی مظاہرہ سوالات حل کر کے کرسکیں گے- ان خیالات کا اظہار ناظم وفاق المدارس الاسلامیہ مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ نے آج ایک اخباری اعلانیہ میں کیا، انہوں نے ذمہ داران مدارس سے اپیل کی ہے کہ وہ وفاق المدارس کے صاف وشفاف امتحان کی روایت باقی رکھنے میں ہر سال کی طرح امسال بھی تعاون کریں- اگر کوئی ممتحن یا محافظ ضرورت بشری کی وجہ سے حاضر نہ ہوں تو مرکزی دفتر وفاق کے مشورہ سے متبادل طے کر لیا جائے- امتحانات کے انعقاد کے بعد کاپیوں کی ترسیل مرکزی دفتر وفاق کو فوری طور پر کریں تا کہ بروقت کاپیوں کی جانچ اور نتائج امتحانات متعلقہ مدارس کو روانہ کیا جاسکے- دوران امتحان کسی قسم کی پریشانی امتحان سے متعلق سامنے آئے تو اس کی اطلاع فوری طور پر مرکزی دفتر وفاق کو دیں تا کہ بروقت اس کا تدارک کیا جاسکے۔

امارت شرعیہ آپ کا مرکز ہے اس سے وابستہ رہیں۔ مفتی وصی احمد قاسمی

علی نگر، تارڈیہ اور منی گاچھی بلاک دربھنگہ میں امارت شرعیہ کا دعوتی واصلاحی دورہ مکمل

امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ کے مسلمانوں کا متحدہ پلیٹ فارم اور شرعی مرکز ہے مرکز مستحکم ہوگا تو ہم سب مستحکم ہوں گے اور مرکز میں کمزوری آئے گی تو ہم بھی کمزور ہونگے اس لئے حضرت امیر شریعت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی کی فکر ہے کہ مسلمان اپنے مرکز سے وابستہ رہ کر زندگی گزاریں یہ باتیں مفتی وصی احمد قاسمی نائب قاضی شریعت نے اپنے خطاب میں کہیں، موصوف نے مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ تبلیغی جماعت کے مرکز نظام الدین پر پابندی لگی تو پورے ملک میں تبلیغ کا کام متاثر ہوا لہذا اگر ہم مضبوط رہنا چاہتے ہیں تو اپنے مرکز کو مضبوط بنانے میں ہر طرح کے تعاون کے لئے تیار رہیں، انہوں نے کہا کہ آج ہمارے سماج میں طلاق کے بیجا استعمال کی وجہ سے کتنے گھر اجڑ گئے ہیں جبکہ شریعت میں حلال چیزوں میں سب سے مبغوض چیز طلاق ہی ہے طلاق کا استعمال بہت ناگزیر حالات میں کرنا چاہیے، اولا پند ونصیحت کرے اس سے نہ ہو تو شوہر بستر الگ کرلے، اس سے بھی نہ ہو تو ہلکی تنبیہ کرے پھر بھی نہ ہو تو دونوں کے گارجین بیٹھ کر معاملہ کو حل کریں اور ان تمام مراحل کے باوجود بھی کوئی راہ نہ نکلے تو ایک طلاق دے، اگر ایک طلاق کے بعد حالات ٹھیک ہو جائے تو عدت کے اندر رجوع کرلے ورنہ رجوع نہ کرے وہ خود بائنہ ہو جائے گی، تین طلاق کی کوئی ضرورت نہیں، موصوف نے کہا کہ نشہ سے سماج کو بچائیں نشہ تمام برائی کی جڑ ہے، تلک اور جہیز سے پرہیز کریں، عورتوں کا احترام کریں، عدل وانصاف قائم کریں اپنا بیٹا بھی غلط کرے تو سزا دیں۔ مفتی ارشد علی رحمانی قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ مہدولی دربھنگہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ آئے دن لڑکیوں کے ارتداد اور گھر سے بھاگ جانے کی خبریں آرہی ہیں جس کی بنیادی وجہ عصری تعلیم کے ادارے ہیں ہماری بچیاں ان اداروں میں جاتی ہیں اور پھر وہیں سے گناہ کی ابتدا ہوتی ہے جو ارتداد اور گھر سے بھاگنے تک پہنچ جاتی ہے اس لیے ہمیں اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی سخت ضرورت ہے، خواتین کی اصلاح کے لئے چھوٹی مجلسیں قائم کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح اپنی بچیوں کو پردہ کی اہمیت اور غیر محارم سے میل جول نہ رکھنے کی تاکید کرنے کی ضرورت ہے، موصوف نے کہا سلام کو رواج دیں اور اجتماعیت کے ساتھ زندگی گزاریں مسلک ومشرب اور ذات برادری کے نام پر ہرگز تفریق نہ کریں یاد رکھیں اللہ کی نگاہ میں باعزت وہی ہے جو متقی ہو۔ مفتی ابوشاہد قاسمی قاضی شریعت دار القضاء مدرسہ رحمانیہ سوپول نے کہا کہ تعلیم میں ہماری قوم ابھی بھی بہت پیچھے ہے اس میدان میں آگے آنے کی ضرورت ہے، اسی طرح اپنے ایمان اور مال ودولت کی حفاظت کے لئے اپنے گھریلو جھگڑے اور معاملات کو دار القضاء میں حل کرنے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، اللہ کا حکم ہے کہ مسلمان اپنے معاملات کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرائیں، لہذا اہم سبھوں کو حکم خداوندی کے مطابق معاملات حل کرانا چاہئے۔ مولانا شعیب عالم قاسمی مبلغ امارت شرعیہ نے تفصیل کے ساتھ امارت شرعیہ کے تمام شعبہ جات کا تعارف پیش کیا۔ قاری عمیر رحمانی مبلغ امارت شرعیہ نے تلاوت کی اور پروگرام کو منظم کیا۔ جوتکا، چنور، نظر احمد آباد، دھونسی، فرداہا تمام مقامات پر لوگوں نے امارت شرعیہ کے وفد کا پرجوش استقبال کیا۔

شادی بیاہ کے فضول خرچیوں کو روکنا ضروری: قاضی انظار عالم قاسمی

ضلع سوپول کے چھاتاپور بلاک میں وفد امارت شرعیہ کا دعوتی واصلاحی دورہ جاری

اسلام نے نکاح کو عبادت کا درجہ دیا ہے لیکن ہم نے اس اہم عبادت کو بے جا رسومات کا مرکب بنا دیا ہے، حیرت ہے کہ مسلمان نکاح کے موقع سے جہیز کا لین کرتے ہیں، تلک کے نام پر لڑکی کے باپ سے لاکھوں وصول کرتے ہیں حالانکہ اسلامی تعلیمات میں ان چیزوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ شریعت نے نکاح کو آسان بنایا ہے، لیکن آج ہم نے اس کو رسم و رواج، فضول خرچیوں اور جہیز وتلک کے بوجھ سے اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ بیٹی کی شادی کرنے کے نام پر غریب باپ کی روح کانپ جاتی ہے، آج نکاح کے مشکل ہونے کی وجہ سے سماج میں بے راہ روی اور بدکاریاں عام ہو رہی ہیں، جس معاشرہ میں نکاح مشکل ہوگا، وہاں زنا آسان ہو جائے گا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اچھا اور بابرکت نکاح اس کو قرار دیا، جس میں سب سے کم خرچ ہو۔ یہ باتیں مولانا محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ نے ضلع سوپول کے چھاتاپور بلاک کے جھکاڑ گڑھ، موہن پور کٹھرہ ودیگر مواضعات میں وفد امارت شرعیہ کے دعوتی واصلاحی دورہ کے دوران اپنے پیغام میں کہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ سماج سے برائیوں کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا اور ایک صالح معاشرہ کا قیام ہم سب کی ذمہ داری ہے اور یہ کام تب ہوگا جب ہم اپنی انفرادی واجتماعی زندگی اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے گزاریں گے۔ مولانا مفتی شمیم اکرم رحمانی معاون قاضی شریعت امارت شرعیہ نے امارت کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ امیر شریعت کی باتوں کو مان کر زندگی گزارنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ مولانا مفتی ابوالقاسم رحمانی قاضی شریعت دار القضاء سوپول نے نشہ کے بڑھتے رجحان پر روشنی ڈالی اور نوجوانوں کو نشے سے بچنے کی تلقین کی۔ پروگرام کی نظامت مولانا نجم الدین رحمانی نے انجام دی جبکہ مبلغین امارت شرعیہ مولانا نوشاد قاسمی اور مولانا احمد حسین قاسمی نے پروگرام کے کامیاب انعقاد کو یقینی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ صدر تنظیم امارت شرعیہ چھاتاپور بلاک عقیل احمد خان، نائب صدر تنظیم امارت شرعیہ مولانا کرام الدین صاحب اور نائب سکریٹری جناب مکھیا مقصود مسن صاحب اور جناب منہاج سرور صاحب نائب صدر تنظیم امارت شرعیہ پروگراموں میں ساتھ رہے۔ خیال رہے کہ امیر شریعت بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب کی ہدایت پر قاضی شریعت دار القضاء امارت شرعیہ مولانا محمد انظار عالم قاسمی کی قیادت میں یہ وفد ۲۱رفروری سے سوپول کے چھاتاپور اور پرتاپ گنج بلاک میں سرگرم عمل ہے۔ وفد کا یہ سفر ۲۸رفروری تک جاری رہے گا۔

اسلام کی شان اتفاق واتحاد میں ہے: مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی

ایک ایمان والا ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم کلمہ واحدہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر آپس میں اتفاق واتحاد کے ساتھ رہیں، اتفاق واتحاد کی بنیاد پر معاشرہ مضبوط ہوتا ہے، جس سماج اور قوم میں انتشار ہو جاتا ہے، وہ سماج کمزور ہو جاتا ہے، اس کی بات کا وزن اور اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کے معاشرہ کا یہ حال ہے کہ بات بات پر وہاں اختلاف اور تنازع موجود ہے۔ آج سیکڑوں معبودوں کی پرستش کرنے والے ایمان والوں کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر ہیں اور آپس میں متحد ہیں، لیکن ایک اللہ کی پرستش کرنے والے سیکڑوں فرقوں اور خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ باتیں قائد وفد مولانا مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی نے ضلع مدھے پورہ میں وفد امارت شرعیہ کے دعوتی و اصلاحی دورہ کے دوران خطاب کرتے ہوئے کہیں، آپ نے کہا کہ اسلام کی شان اتفاق واتحاد میں ہے۔ آج زیادہ تر سماجی جھگڑوں اور آپسی انتشار کی وجہ صرف انا اور اپنی برتری کی خواہش ہے، انہوں نے پیغام دیا کہ برتری کی اس جنگ کو ختم کیجئے اور کلمہ کے نام پر متحد ومتفق ہو کر رہئے۔ مسلمانوں کی شان نہیں ہے کہ ان کے اندر لڑائی جھگڑا اور انتشار ہو بلکہ مسلمانوں کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح رہیں۔ مولانا قمر انیس قاسمی معاون ناظم امارت شرعیہ نے اپنے خطاب میں امارت شرعیہ کی خدمات کا تعارف کرایا اور امارت شرعیہ کے پیغامات کو تفصیل سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ امارت شرعیہ کا پہلا پیغام یہ ہے کہ ہر مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کرے، اس کے ساتھ ہی ایک امیر کی اطاعت کے ساتھ اپنی اجتماعی وانفرادی زندگی گزارے۔ انہوں نے کہا کہ امیر کی اطاعت دراصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ انہوں نے بتایا کہ امارت شرعیہ ہمارے دین اور ایمان کا اہم حصہ ہے، اسلام کے جماعتی نظام کی عملی شکل ہے۔ مولانا راشد انور قاسمی معاون قاضی امارت شرعیہ نے دار القضاء کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی اور لوگوں کو تلقین کی کہ اپنے نزاعات کا حل دار القضاء سے کرائیں۔ انہوں نے دار القضاء کے فوائد بیان کرتے ہوئے کہا کہ امارت شرعیہ کے دار القضاء سے کم وقت میں اور کم خرچ میں قرآن وحدیث کے مطابق اپنے تنازعات کا فیصلہ کرا سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب کی ہدایت پر علماء امارت شرعیہ کا ایک موقر وفد ۲۳رفروری سے ضلع مدھے پورہ کے مختلف مواضعات میں دعوتی واصلاحی دورہ پر ہے۔ وفد کی قیادت مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ مولانا مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی صاحب کر رہے ہیں، شرکاء وفد میں مولانا قمر انیس قاسمی معاون ناظم امارت شرعیہ، مولانا راشد قاسمی صاحب معاون قاضی مرکزی دار القضاء امارت شرعیہ، مولانا وحید اللہ صاحب قاضی شریعت دار القضاء مدھیلی، ضلع مدھے پورہ، مولانا رئیس اعظم رحمانی مبلغ امارت شرعیہ، مولانا عبدالقادر قاسمی مبلغ امارت شرعیہ، مولانا عبیداللہ مظاہری صاحب صدر المدرسین مدرسہ فرقانیہ عربیہ محمد پور، مدھیلی، مولانا ابوالکلام رحمانی صاحب کھوکھسی، مدھے پورہ، مولانا مفتی مرتضیٰ صاحب رحمانی، بنس گوپال مدھے پورہ اور جناب مولانا عبدالجلیل قاسمی صاحب رام پور مدھے پورہ کے نام شامل ہیں۔ وفد کا یہ اصلاحی ودعوتی دورہ ۳؍مارچ تک جاری رہے گا۔

اسلام کا تصور علم

مولانا شمیم اکرم رحمانی

مذہب اسلام کی آمد سے قبل جس طرح دنیا کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی صورتحال تشویشناک تھی، اسی طرح تعلیمی صورت حال بھی تشویشناک تھی، یورپ وقت کی تمام مہذب قوموں سے الگ تھلگ تھا اور جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں جی رہا تھا، چین , ہندوستان, مصر، بابل، یونان اور روما دنیا بھر میں علم کے مراکز سمجھے جاتے تھے, لیکن علم کے یہ مراکز طلبہ کو علم کے بجائے توہمات وخرافات کا درس دے رہے تھے، ہندوستان نے طب، الٰہیات اور ہیئت کے میدان میں اور چین نے اخلاقیات کے میدان میں گرچہ قدم بڑھادیے تھے لیکن ان کے علم اور نصاب کا بیشتر حصہ بھی سحر وطلسم پر ہی مشتمل تھا، لے دے کر دنیا کا ایک خطہ یونان تھا جہاں بلند پایہ علماء اور فلاسفہ پیدا ہو چکے تھے لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ وہاں کتنے زمانے تک علم کا دائرہ محدود رہا اور بعد میں جب وسعت پیدا ہوئی بھی تو ان اہل علم فلاسفہ کو کیسی سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے ان کے توہمات کا ساتھ نہیں دیا اگر مجموعی طور پر بات کی جائے تو اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ بعثت نبوی سے قبل دنیا میں کہیں بھی یا تو علم نہیں تھا یا کسی معنی میں تھا تو عام لوگوں کی پہونچ سے دور اور روزمرہ کی زندگیوں سے بے دخل تھا لیکن جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور اسلام کی مکمل شکل کا ظہور ہوا تو مذہب اسلام نے نہ صرف حصول علم کی عام اُجازت دی بلکہ اپنے ماننے والوں پر حصول علم کو لازم قرار دیا، اور بتایا کہ علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، حصول علم کو فرض قرار دینے کا فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک انقلابی فیصلہ تھا، تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس فیصلے کیا ثرات پوری دنیا پر پڑے، نسل انسانی عمومی طور پر سلسلہ تعلیم سے منسلک ہوئی، اور دنیا بھر میں آہستہ آہستہ علم روزمرہ کی زندگیوں میں داخل ہوا، لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو فرض قرار دینے کا کیا مطلب ہے؟ کیا واقعی ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے، اگر ہاں اور بلاشبہ ہاں تو کونسا علم؟ دینی یا دنیوی یا دونوں؟ کیا علم کو دینی اور دنیوی خانوں میں تقسیم کرنا درست ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات دیے بغیر نہ کوئی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، نہ اسلام کے تصور علم کو واضح کیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی اس حوالے سے کوئی مناسب رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

جہاں تک حصول علم کے فرض ہونے کی بات ہے تو لفظ فرض کے معنی ہی اس حقیقت کی نشاندہی کے لیے کافی ہیں کہ حصول علم سے راہ فرار اختیار کرنے کی گنجائش ایک مسلمان کے لیے نہیں ہے لیکن کتنا علم حاصل کرنا فرض ہے؟ اس سلسلے میں آیات و روایات میں کوئی صراحت میری نظر سے نہیں گزری ہے البتہ علماء کے درمیان اِتفاق ہے کہ مذہب کا اجمالی علم ہر مسلمان پر فرض ہے، باقی علوم کی تفصیلات، قرآن وحدیث کے تمام مسائل و معارف، آیات وروایات سے مستنبط احکامات کی تفصیل اور ان کے دلائل کی معرفت نہ ہر مسلمان کے بس میں ہے اور نہ ہی ہر مسلمان پر فرض عین ہے، بلکہ بقدرِ ضرورت کچھ افراد یہ علوم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان اس فریضہ سے سبک دوش ہوجائیں گے، اسی لئے علماء اسے فرض کفایہ کہتے ہیں، قرآن مجید میں اس حقیقت کی وضاحت موجود ہے:

ترجمہ: ”ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ مسلمان سب کے سب نکل جائیں، سوکیوں نہ نکلا کرے ہر فرقے میں سے ایک جماعت تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں تاکہ وہ بچتے رہیں“ (التوبہ:۱۲۲)

دراصل قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ہر گروہ میں ایک چھوٹی سی جماعت ایسی ضرور تیار کریں جو دینی علوم میں درک اور مہارت رکھے تاکہ دین میں درک اور مہارت رکھنے والے وہ علماء لوگوں کو راہ راست پر لائیں، پیش آنے والے چیلنجز اور مسائل کو شریعت کی روشنی میں حل کریں اور انبیاء کی آمد کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے فی الواقع وہ کام کریں جو انبیاء کرام کے کام تھے لیکن علم کی تقسیم نہیں کی گئی ہے اور نہ یہ طے کیا گیا کہ دینی علوم بس یہی ہیں لہذا قرآن مجید کی اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی درست نہیں ہے کہ شریعت کا اجمالی یا تفصیلی علم ہی دینی علوم ہیں اور باقی دیگر علوم دنیاوی علوم ہیں، سچائی تو یہ ہے کہ نیتوں کے فرق کی بنیاد پر وہ علوم جو دینی علوم کہلاتے ہیں دنیوی علوم اور وہ علوم جو دنیاوی علوم کہلاتے ہیں دینی علوم بن سکتے ہیں، نیتوں کے فرق سے اعمال میں فرق کا آنا ایسی حقیقت ہے جس کا انکار اسلامی تعلیمات سے واقفیت رکھنے والا کوئی بھی شخص نہیں کرسکتا ہے، اسی لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تقسیم دینی اور دنیوی کے بجائے نافع اور غیر نافع سے کی، چنانچہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نافع کے حصول کے لیے دعا فرمائی اور غیر نافع علم سے پناہ چاہی , رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کی گئی علم کی یہی وہ تقسیم جس پر عمل آوری امت کے استحکام کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس لئے کہ نظام فطرت کے مطابق نفع بخش چیزیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ جم جاتی ہیں اور غیر نافع چیزیں خس وخاشاک کی طرح بہ جاتی ہیں، قرآن مجید میں ایک جگہ اس راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے:

ترجمہ”: پھر جو جھاگ ہے وہ یونہی جاتا رہتا ہے، اور جو لوگوں کو فائدہ دے وہ زمین میں جم جاتا ہے، اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے“ (الرعد)

قرآن مجید میں تفقہ فی الدین کی اہمیت کی نشاندہی بھی اسی لئے کی گئی ہے کہ یہ علم سب سے زیادہ نفع بخش ہے، آخر اس علم سے زیادہ نفع بخش کون سا علم ہوسکتا ہے جو انسان کو اس کے خالق؛ بلکہ خالق کائنات کے احکامات سے روشناس کرائے اور انسانی روحوں کی تربیت کا ذریعہ بنے، تاہم نفع رسانی کے سب سے اعلی درجے پر ہونے کی وجہ سے اگر سارے لوگ اسی علم کو حاصل کرنے میں لگ جائیں تو نظام عالم کا کیا ہوگا؟ اسی لئے منشائے خداوندی بھی یہ نہیں ہے کہ سب لوگ قرآن وسنت کے علم میں مہارت حاصل کریں، یا فقہ میں درک حاصل کریں ورنہ علم نافع کے لئے کی جانے والی دعا میں اس کی تخصیص کردی جاتی لیکن کہیں بھی نفع بخش علم کی تخصیص روایتی دینی علوم سے نہیں کی گئی اور نہ ہی روایتی دنیاوی علوم کی تردید کی گئی بلکہ علم نافع کو عام رکھا گیا، مختلف جگہوں پر مختلف انداز سے عقل کے استعمال کی ہدایت کی گئی، اللہ کی نشانیوں اور ذات وکائنات میں غور وفکر کرنے پر زور دیا گیا، تاکہ ذات وکائنات میں غور وفکر کر کے ایک طرف جہاں لوگ عبرت حاصل کریں تو وہیں دوسری طرف مباحات کے دائرے میں عقل کو استعمال کر کے نفع بخش علوم فنون سیکھیں اور خدا کے نظام تکوینی کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کریں ورنہ تسخیر کائنات کی ترغیب بے معنی سی بات ہوجائے گی

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید   کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

اگر انسانوں کو نفع پہنچانے والے علوم مطلوب ہیں اور بلاشبہ ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علم نافع کے لئے کی گئی دعا کا تقاضا ہے تو اس سے بڑی آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، صرف وغیرہ تو نفع بخش علم ہیں ہی حیاتیات (Biology)، طبیعیات (Physics)، نفسیات (Psychology)، کیمیا (Chemistry)، سیاسیات (Politics)، عمرانیات (Sociolgy)، معاشیات (Economics)، تاریخ (History)، قانون (Law)، نیوکلیئر ٹیکنالوجی (Nuclear Technology)، کمپیوٹر سائنسز (Computer Sciences)، انتظامیات (Management)، تجارت (Commerce) اور ابلاغیات (Mass Communication) کے علوم بھی علم نافع کے زمرے میں شامل ہونگے، البتہ یہ شرط ضرور لگائی جائے گی کہ ان نفع بخش عصری علوم کے طلبہ ان علوم کو پڑھنے سے پہلے دل ونگاہ کو مسلمان کرلیں اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں کسی چیز کا جاننا علم نافع تو کجا محض علم ہی نہیں کہلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن جو دیگر لوگوں کے بالمقابل زیادہ پڑھا لکھا تھا ابوجہل کہلایا، اسلام کی پہلی وحی (سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں) سے بھی اسی نظریے کی تائید ہوتی ہے، لیکن ممکن ہے ذہن میں ایک سوال پیدا ہو کہ قرآن وسنت اور فقہ کے علاوہ جن علوم کو علم نافع کے خانے میں رکھا جارہا ہے کیا عہد رسالت میں پیش آنے والے کسی واقعے سے اس کی تائید ہوسکتی ہے، اس کا جواب بھی اثبات میں ہی ہے، اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بدر میں قید ہوکر آنے والے وہ قیدی جو مال کے ذریعے فدیہ ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے کا فدیہ مسلمانوں کی تعلیم مقرر کرنا، حضرت عروہ بن مسعود اور حضرت غیلان کو شہر جرش بھیجنا تاکہ وہ وہاں سے منجنیق اور دبابے وغیرہ بنانے کا علم سیکھ کر آئیں، غزوہ خندق کے موقع پر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے ایرانیوں کی جنگی حکمت عملی کو اختیار کرنا اور حضرت زید بن ثابت کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دینا اس حقیقت کی بہت واضح مثالیں ہیں بلکہ تلاش کرنے پر مزید ایسی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں جس میں زمانے کی ضرورتوں اور دعوتی تقاضوں کے مطابق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم اور حصول ہنر کی حکمت عملی اختیار فرمائی اور امت مسلمہ کو مستحکم فرمایا ہے جس سے امت مسلمہ کو یہ سبق ملتا ہے کہ عصری علوم بھی علم نافع کے خانے میں رکھے جانے کے لائق ہیں، اور اسلام کے تصور علم میں باضابطہ شامل ہیں، اتنے واضح حقائق کی موجودگی میں مسلمانوں کے زیر انتظام تعلیمی اداروں نے علم کا وہ تصور کیسے اختیار کیا جو ابھی زیادہ تر تعلیمی اداروں میں رائج ہے، ممکن ہے کہ علم اور علم کی تقسیم کا روایتی تصور بھی اچھے ارادے کے تحت ہی اختیار کئے گئے ہوں لیکن پیش آنے والے چیلنجز نے اس حقیقت کو بے غبار کردیا ہے کہ عصری علوم کو علم نافع کے خانے سے الگ کرنے کا فیصلہ امت کے حق میں فال نیک ثابت نہیں ہوا ہے، عمومی طور پر اگر بات کی جائے تو اس سچائی سے دامن بچانے کی گنجائش نہیں ہے کہ اس فیصلے کے نتیجے میں ملت کو بہت زیادہ نقصانات برداشت کرنے پڑے ہیں، جن کی تلافی کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی نہیں ہے کہ عصری علوم کو پھر سے علم نافع کے خانے میں جگہ دی جائے جیسا کہ اسلام کے درست تصور علم کا تقاضا ہے، اگر ایسا ہوا تو بلاشبہ دور حاضر کی علمی، فکری، اور عقلی چیلنجز کے مقابلے میں سہولت ہوگی، اس بات سے اتفاق تو نہیں کیا جاسکتا کہ تمام پریشانیاں دور ہوجائیں گی لیکن بڑی حد تک آسانیاں پیدا ہونگی، اسلام کے تصور علم میں حالات سے پنجہ آزمائی کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے، اس لیے ہمیں اسلام کے تصور علم کو عام کرنے کی ضرورت ہیگو انتظامی دشواریوں اور علوم کے شاخ در شاخ ہونے کی وجہ سے دونوں قسم کے اداروں کو نصابی طور پر یک جا کرنا عملا ممکن نہیں ہے لیکن ہم اسلام کے اس تصور علم کو سامنے رکھ کر معیاری ادارے قائم کرسکتے ہیں اور مسلمان عصری علوم میں بھی تیزی سے آگے بڑھ سکتے ہیں

دعاء مغفرت

امارت شرعیہ اور اس کے اکابر سے عقیدت ومحبت رکھنے والے قدیم مخلص اور مقامی کمیٹی دفتر امارت شرعیہ راورکیلا (اڈیشہ) کے نائب صدر حاجی محمد نسیم صدیقی صاحب کے بڑے لڑکے جناب محمد انور صاحب کا ۲۳رفروری ۲۰۲۳ء کو انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم نہایت خلیق، ملنسار اور صوم وصلاۃ کے پابند تھے، ان کی عمر اکسٹھ برس تھی، تین روز قبل دل میں تکلیف محسوس ہوئی، علاج ومعالجہ کی تدبیریں اختیار کی گئیں اور مختصر علالت کے بعد دل کا دورہ پڑنے سے وہ اس دنیا سے چل بسے، پس ماندگان میں والدین، بیوہ، ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہیں، قارئین نقیب سے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

صبر وتحمل کامیابی کی اساس

مولانا اسرارالحق قاسمی

صبر ایک اہم چیز ہے اور انسانی زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ وہی افراد اپنی منزلوں کو پاتے ہیں جو صابر وشاکر ہوتے ہیں۔ صبر نہ کرنے والے لوگ حالات کے سبب اپنے راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔ دنیا کی زندگی میں حالات یکساں نہیں رہتے۔ ایسا ضروری نہیں کہ ایک شخص ہمیشہ خوش ہی رہے، یا غم میں ہی ڈوبا رہے۔ ایسا بھی نہیں کہ ہر شخص کو کاروبار میں نفع ہی ہوتا رہے اور نقصان نہ ہو۔ قریبی رشتوں میں بھی مختلف حالات آتے رہتے ہیں۔ مثلاً کبھی والدین کو اپنے بچوں سے خوشی ملتی ہے اور کبھی تکلیف بھی پہنچتی ہے۔ ایسے واقعات بہت کم ہوتے ہیں کہ والدین کو اپنی اولاد کی طرف سے کبھی تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ اگر ازدواجی زندگی کی بات کی جائے تو یہاں بھی اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ بیوی جو شوہر کے سکون کا ذریعہ ہے، کبھی کبھی اس سے شوہر کو بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ ایسے ہی شوہر جو اپنی بیوی پر جان چھڑکتا ہے اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے، کبھی اس کا رویہ کسی وجہ سے بیوی کے لیے بدل جاتا ہے۔ وہ بیوی سے غصہ ہوجاتا ہے، گالی گلوچ اور مار پیٹ تک کر بیٹھتا ہے۔ حقیقی بھائیوں کے درمیان لڑائیاں ہوجاتی ہیں۔ پڑوسیوں میں اَن بن ہوجاتی ہے۔ محلّہ داروں کے ساتھ جھگڑا ہوجاتا ہے۔ یہ تمام باتیں انسان کے سکون کو چھین لینے والی ہیں اور اس کی زندگی کو منتشر کردینے والی ہیں۔ ایسے وقت میں جو چیز اس کو حالات کی پیچیدگی اور بے چینی سے نجات دلاسکتی ہے وہ صبر ہے۔

آئے دن پیش آنے والے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو اپنے کاروبار میں لاکھوں کروڑوں کا نقصان ہوجاتا ہے۔ ان کی کمپنی کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کا جمع کیا ہوا اثاثہ خرد برد ہوجاتا ہے اور خطیر رقم کے قرض کا بوجھ ان کے ناتواں شانوں پر آن پڑتا ہے۔ ایسے میں ان کے دن ورات کا سکون جاتا رہتا ہے اور سخت بے چینی و آزمائش میں وہ مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ان حالات میں بعض لوگ صبر سے کام لیتے ہیں اور بعض لوگ صبر اختیار نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صبر نہ کرنے والے لوگ خودکشی تک کر بیٹھتے ہیں۔ بعض تو اپنی بیوی و بچوں تک کو ہلاک کردیتے ہیں۔ البتہ جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ جو مقدر میں تھا وہ ہوگیا، وہ مزید تباہی سے بچ جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تنازع ختم ہوجاتا ہے اور وہ پھر دوبارہ پیار ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ شیطان کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ وہ حقیقی بھائی جن کے درمیان کبھی سخت کشیدگی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے، ایک دن وہ خوشی کے موقع پر یا غم کے موقع پر ایک ہوجاتے ہیں، اور پھر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کہ ان کے درمیان کبھی کوئی جھگڑا ہی نہ ہوا ہو۔ کتنے تو ایسے ہوتے ہیں جو کچھ ہی سالوں میں اپنے نقصان کی تلافی کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور اسی پوزیشن میں واپس آجاتے ہیں۔ لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب صبر وتحمل سے کام لیا جاتا ہے۔ ورنہ تو جھگڑا بڑھتا جاتا ہے، بھائی بھائی کا قتل تک کرڈالتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صبر ایک بہت ہی انمول شے ہے۔

بہت سے طالب علم امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے محنت کرتے ہیں۔ لیکن جب نتیجہ آتا ہے تو ان میں سے بعض کو کامیابی ملتی ہے اور بعض کو ناکامی۔ جو طلباء کامیاب ہوجاتے ہیں وہ خوش ہوتے ہیں اور جو ناکام ہوتے ہیں ظاہر سی بات ہے انہیں شدید تکلیف کا احساس ہوتا ہے لیکن دانشمندی کا تقاضہ ہے کہ اس وقت صبر سے کام لیا جائے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ صدمہ ہلکا ہوگا اور صحت درست رہے گی، دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آگے اس نقصان کی تلافی کی جاسکے گی۔ چنانچہ ایسے بہت سے مقبول وکامیاب لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جو امتحان میں ناکام ہوگئے تھے، مگر انہوں نے صبر سے کام لیا اور اگلی بار مزید محنت کی، جس کا انہیں یہ فائدہ پہنچا کہ ان کے نمبرات بہت شاندار آئے جو پہلے سال کامیاب ہونے پر نہ آتے، دوسرے یہ کہ دوبارہ اسی کورس کو پڑھنے کی وجہ سے ان کی صلاحیت میں اضافہ ہوا۔ اس کے برعکس کئی طالب علم اپنی ناکامی پر اتنے ملول ہوجاتے ہیں کہ زندگی سے ہی مایوس ہوجاتے ہیں۔ ان میں سے بعض طالب علم تو ہمیشہ کے لئے پڑھائی چھوڑ دیتے ہیں اور طالب علم خودکشی تک کر بیٹھتے ہیں۔ یعنی دونوں ہی صورتیں زبردست نقصان والی ہیں۔ اول الذکر شکل اختیار کرنے والے طلباء اپنے مستقبل کو تاریک بنالیتے ہیں اور موخر الذکر صورت اختیار کرنے والے جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کتنی بڑی ومفید شے ہے اور صبر نہ کرنا کتنا مہلک وخطرناک۔

اللہ رب العزت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ یہ آیت عوام الناس کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہے۔ وہ لوگ جو پریشانی کے عالم میں ہوتے ہیں، انہیں دور تک کوئی سہارا نظر نہیں آتا، مصائب وآفات سے نکلنے کی کوئی سبیل دکھائی نہیں دیتی، اس کے باوجود صبر سے کام لیتے ہیں تو اس وقت ان کے ساتھ رب کائنات ہوتا ہو جو قادر مطلق ہے، جس کے ذخیروں میں کوئی کمی نہیں، جس کے حکم پر کائنات کا نظام چلتا ہے اسی کے اشارے پر سورج، چاند، ستارے، زمین اور سیارے گردش کرتے ہیں، درخت اگتے ہیں، دریا بہتے ہیں، ہوائیں چلتی ہیں، پہاڑ اپنی جگہ پر استحکام کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ اتنی عظیم ذات جس بندے کے ساتھ ہو اسے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یقیناً ایک دن وہ پریشانی سے نجات پائے گا اور اسے کامیابی ملے گی۔

سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے خوشحالی دی تھی۔ ان کو اولاد سے بھی نوازا تھا اور صحت بھی بخشی تھی، لیکن ان کی زندگی میں ایک وقت ایسا آیا کہ سب کچھ تباہ و برباد ہوکر رہ گیا، مزید یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام خود بیمار پڑ گئے، روایات میں آتا ہے کہ وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوگئے جس کے سبب انہیں بستی سے بھی باہر دور جانا پڑا، بس ان کی بیوی ان کے ساتھ تھی۔ جوں جوں وقت بڑھتا گیا حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کی بیوی انتہائی رنج وغم میں رہتی۔ اس کیفیت کو کافی لمبا وقت بیت گیا۔ سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ ان کی آزمائش کا وقت ہے انہیں اس موقع پر صبر سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ وہ ہر حال میں صابر وشاکر رہے باری تعالیٰ نے انہیں ایک بار پھر تندرست فرمادیا اور ان کے گھر میں خوشحالی کو لوٹا دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ فائدہ ہوا کہ اللہ رب العزت ان کے اس عمل سے بہت خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول بہترین کامیابی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو صبر بہت زیادہ پسند ہے۔ اس کی ایک دلیل تو مذکورہ بالا آیت ہے کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے''۔ دوسری دلیل وہ آیت ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو'' گویا کہ صبر کرنے والے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد کے خواہاں ہوتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے اور جس کی مدد اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے، اس سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا؟ صبر سے مراد یہ ہے کہ اگر انسان پر کوئی مصیبت آن پڑے، خواہ وہ بیماری کی شکل میں ہو، اسے برداشت کرے، آپے سے باہر نہ ہو اور غلط قدم نہ اٹھائے۔ مثال کے طور پر اگر وہ غربت سے دوچار ہے تو بھی وہ اکل حلال کی ہی جستجو میں لگا رہے اور ثابت قدم رہے۔ اپنے اس عمل کے نتیجے میں ایک نہ ایک دن وہ معاشی بدحالی سے نجات پاجائے گا اور اگر اس کے باوجود بھی مفلسی اس کا تعاقب کرتی رہی تو یقیناً وہ آخرت میں اجر عظیم کا مستحق ہوگا۔ کئی لوگ مفلسی سے باہر آنے کے لیے ناجائز طریقوں پر چل پڑتے ہیں، دھوکہ دہی، وعدہ خلافی اور کذب گوئی کا راستہ اختیار کرکے اپنے کاروبار کو بڑھانا چاہتے ہیں، کئی لوگ سودی لین دین میں ملوث ہوجاتے ہیں، کئی لوگ چوری ڈکیتی کرنے لگتے ہیں اور کئی انتہائی سنگین قسم کے جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں کیونکہ وہ صبر کرنے والے نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نہیں ہوتا۔ جس کے سبب ان کا انجام تباہ کن ہوتا ہے۔ چوری ڈکیتی اور جرائم کرنے والے جیل کی سلاخوں کے پیچھے چلے جاتے ہیں، سود اور ناجائز طریقوں سے دولت حاصل کرنے والے سکون سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں آخرت میں الگ جواب دینا پڑے گا۔

ملک کی موجودہ صورتِ حال اور ہماری ذمہ داریاں

مفتی محمد عبد النصیر قاسمی

آج مسلمانانِ ہند جس نازک اور تشویشناک صورتِ حال سے دوچار ہیں وہ کسی ہوشمند و صاحبِ عقل وفہم سے پوشیدہ نہیں، دنیا اُسے لقمۂ تر سمجھ کر نگلنے کی کوشش کررہی ہے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ امن پسند، منصف مزاج برادرِ وطن اس تشدد کے خلاف پیش قدمی کریں تو دیش دروہی اور باغیٔ وطن جیسے الزامات تراشیاں کرکے انہیں خاموش رہنے پر مجبور کیا جارہا ہے، رہی اپوزیشن پارٹیاں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ہتھیار ڈال کر خود سپردگی ہی میں اپنی عافیت سمجھنے لگی ہیں ع

جان بچی تو لاکھوں پائے ☆ لوٹ کے بدھو گھر کو آئے

ملک کا ہر شعبہ سیاسی، سماجی، فلاحی، فوجی، عدالتی اور لائن آڈر اس نفرت وتعصب وتشدد کی سیاست سے بڑی حد تک متاثر ہوچکا ہے، اس پر اسلامی ممالک اور ان کے سربراہان کا ظالم و جابر حکمران اور فرعونِ وقت کی شاہی مہمان نوازی و ضیافت، عزت افزائی وتمغہ نوازی نے مظلوموں کے زخم پر نمک کا کام کیا اور ان کے جگر کو چاک کرکے رکھ دیا، نامعلوم اس بربریت کی علامت سے کونسی سودے بازی مقصود ہے اور امت کی ماؤں، بہنوں اور معصوم بچوں کے قتل عام کو نظرانداز کرکے کونسا سیاسی مفاد حاصل کرنا مقصود ہے؛ ایسے پرآشوب ونا موافق حالات میں اسلامی تشخص، شعائر اسلام اور اسلامی وضع قطع رکھنا ہاتھ میں انگار تھامنے اور دشمنانِ اسلام کو چیلنج کرنے کے مترادف ہوچکا ہے، غرض ایک طرف تو امت مسلمہ اس سنگین صورت حال سے دوچار ہے تو دوسری طرف عوام الناس کا طرز عمل اور شبانہ روز کے معمولات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو انہیں اس سنگینی کا علم ہی نہیں کہ یہ ابھی تک خوابِ غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں یا ان میں احساس ختم ہوگیا۔ چنانچہ شہروں میں دیکھئے کہ مسلم شادیوں میں ناچ گانے سے باراتیں نکل رہی ہیں، پٹاخوں کی آواز سے محلے گونج رہے ہیں اور تیز روشنیوں سے تاریک آسمان بھی روشن ہوتا نظر آتا ہے اور امت مسلمہ کا نوجوان سڑکوں پر ناچنے گانے میں اپنی صلاحیتیں لگا رہا ہے، تقریبات میں فضول خرچی، نام ونمود کے لیے بے حساب پکوان، شہرت و دکھلاوے کے لیے اسراف وتبذیر تھمنے کا نام نہیں لیتے، رات دیر گئے تک جاگنے اور دن ڈھلے تک سونے، چبوتروں، راستوں اور ہوٹلوں میں وقت گزاری اور لہو ولعب میں کوئی کمی نظر نہیں آتی، آپسی اختلافات ورنجشیں، لڑائی جھگڑے، سب وشتم علی حالہ جاری ہیں۔ غرض اس غفلت وبدعملی وبے حسی پر کہاں سے اللہ کی مدد ونصرت آئے گی، جب تک کسی قوم میں تبدیلی کی طلب صادق بیدار نہ ہو انقلاب کیسے آسکتا ہے؟ قانونِ الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد) ''اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدلنا نہیں چاہتی''۔

کسی بھی قوم کا اصل سرمایہ وقیمتی اثاثہ نئی نسل ونوجوان ہوتے ہیں، جو ملت کی کشتی کے ملاح سمجھے جاتے ہیں؛ اگر یہی بے راہ روی کا شکار ہوجائیں اور اپنی شخصیت کی اہمیت کو فراموش کردیں تو پھر قوم کا کیا ہوگا؛ لہٰذا ہم ہوش کے ناخن لیتے ہوئے ان کے ایمان واعمال کی سلامتی، جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے مؤثر اقدامات کریں، انہیں ایمان کی اہمیت بتائیں، ان کی اسلامی ودینی تربیت کریں، ان کا جذبۂ ایمانی ایسا ہوجائے کہ وہ تحفظ شریعت کے لیے ہر طرح کی قربانی دینا اپنے لئے باعث فخر اور ذریعہ سعادت مندی سمجھیں، ان پر حب فی اللّٰہ و بغض فی اللّٰہ کا رنگ چڑھ جائے، خود غرضی ومفاد پرستی اور عصبیت سے بالاتر ہوکر بلا امتیاز رنگ ونسل قوم وملت کی فلاح و بہبود اور اشاعتِ اسلام کے لیے مستعد ہوجائیں، دشمنانِ اسلام کی سازشوں، مکاریوں کا دندان شکن جواب دینے کی صلاحیت پیدا ہوجائے، صحابہ کرام وبزرگانِ دین کے ولولہ انگیز وایمان افروز واقعات، ثابت قدمی، ایثار وقربانی کی عظیم الشان تاریخ ان میں فرعونِ وقت سے مقابلہ آرائی کا حوصلہ پیدا کردے۔

قوم کی مائیں بہنیں اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ ہر دور میں شخصیات کی تیاری اور افراد سازی میں بلکہ ہر صالح انقلاب میں خواتین اسلام کا بڑا کردار رہا ہے، کاش! وہ اس عظیم ذمہ داری کا احساس کرنے والی ہوجائیں اور لایعنی گفت وشنید، ساس بہو کے جھگڑوں، گھریلو ناچاقیوں، غیر ضروری خواہشات کی تکمیل اور فضول مشغولیات کو ترک کرکے اس اہم مقصد کی طرف توجہ دیں تو قدرتِ الٰہی سے قوی امید ہے کہ آج بھی قوم کی ڈوبتی کشتی کو کنارے لگانے والے ناخدا ضرور پیدا ہوجائے؛ نیز اپنی کوششوں کے ثمر آور ہونے کے لیے ذاتِ قدوس سے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں۔

بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوکر نئی نسل اور وطن عزیز بلکہ تمام عالمِ اسلام کی سلامتی کے لیے دعاء خیر کریں اور دانشوران قوم اپنے منصب کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے تحفظِ انسانیت، قومی بھائی چارگی، فلاح و بہبود اور اتحاد واتفاق کے ایجنڈے پر توجہ دیں اور مثبت پالیسی اپنائیں تاکہ قوم پست ہمتی وتذبذب کی راہ سے نکل ایقان واستقامت کے راستہ پر چلتے ہوئے اپنے علم وفن اور خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف اپنا مستقبل روشن کرے بلکہ وطنِ عزیز اور عالم دنیا کے لیے اپنے مفید وجود کا احساس دلاسکے۔ غرض قوم کا ہر طبقہ اپنے اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کی مخلصانہ کوششیں وجد وجہد میں ہمہ تن مصروف ہوجائے تو ان شاء اللہ اس کے مثبت، ثمر آور اور ہمت افزاء نتائج برآمد ہوں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت اور کارنامے

مولانا محمد کاظم ندوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد مسلمانوں نے باتفاق رائے اپنا خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تا کہ آپ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی ریاست کے تمام امور کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داری تو قبول کرلی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے ملک میں عجیب ہنگامہ پیدا ہوگیا۔ جگہ جگہ نبوت کے جھوٹے دعویدار اٹھ کھڑے ہوئے، منکرین زکوٰۃ کا ایک طبقہ پیدا ہوگیا۔ کچھ قبیلے مرتد ہوگئے۔ اسی طرح خارجی حملوں کا بھی ہر وقت خطرہ محسوس کیا جانے لگا، مگر قربان جایئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فہم وفراست، ثابت قدمی، پامردی اور جرأت وشجاعت پر، آپؓ نے حالات کا صحیح جائزہ لیا، اور ایک رائے قائم کی، اور اس کا صحیح جائزہ کے مطابق اپنی رائے پر اخیر وقت تک جمے رہے، آپ نے سب سے پہلے لشکر اسامہ کو ملک شام کی طرف روانہ کیا، کیوں کہ یہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں روانہ ہو چکا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے ایک منزل پر مقیم ہوگیا تھا۔ آپؓ نے بنفس نفیس وہاں پہنچ کر اس لشکر کو دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا۔ بہت سے صحابہؓ نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے، مزاحمت کی اور آپ کو اس اقدام سے منع کیا اور مشورہ دیا کہ ملک کے حالات خراب ہیں، ایسے میں اس لشکر کو روانہ کرنا اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی حالات کا جائزہ لے چکے تھے اور ایک رائے قائم کرلی تھی۔ لہٰذا لشکر اسامہ کو یہ کہہ کر مہم پر روانہ کردیا کہ جس کام کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہم سمجھا تھا اس میں تاخیر نہیں کرسکتا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فراست، سمجھ بوجھ، اور ہمت وجرأت کی صحابہ کرام نے اس وقت داد دی جب لشکر اسامہ تھوڑے ہی دنوں میں میدان کارزار سر کرکے مال غنیمت سے لدا ہوا واپس ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مدعیان نبوت کی سرکوبی کرائی اور مانعین زکوٰۃ کا قلع قمع کرایا۔ اگرچہ صحابہ کرام نے اس بارے میں بھی آپؓ کو روکنا چاہا، مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ اس باب میں بھی اپنی رائے پر جمے رہے اور صاف صاف فرمایا کہ جو شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ کی مد میں ایک رسی بھی دیتا تھا، اب اگر وہ انکار کرے گا تو میں اس سے جہاد کروں گا۔ چانچہ آپ نے ایسا ہی کیا جس کا نتیجہ دنیا نے دیکھ لیا کہ مانعین زکوٰۃ کا انجام کیا ہوا؟ اگر اس موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ رک جاتے، تو فتنہ وفساد اور بگاڑ سے اسلامی ریاست کا برا حشر ہوجاتا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے اور آپ کے بروقت اقدام نے ان فتنوں اور فسادات کو کس طرح نمٹا کر اسلامی ریاست میں کس طرح استحکام پیدا کیا اور آپ نے پوری اسلامی ریاست میں کس طرح امن وامان کی فضا پیدا کردی۔ مورخین کی شہادت موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کل دو برس تین مہینے دس دن حکومت کی، لیکن اتنی ذرا سی مدت میں آپ نے جتنے بڑے کام کیے وہ دوسروں سے برسہا برس میں نہیں ہوسکتے تھے۔

جس طرح آج روس اور امریکہ دنیا کی دو بڑی طاقتیں ہیں، اسی طرح اس زمانہ میں روم اور ایران دنیا کی دو بڑی طاقتیں تھیں، یہ دونوں طاقتیں عربوں کو ذلیل اور رسوا سمجھتی تھیں، جس کی بیّن ثبوت یہ ہے کہ جس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران کے فرماں روا خسرو پرویز کے پاس دعوتی خط ارسال کیا، تو بجائے اس کے کہ ایران فرماں روا اس خط کو پڑھتا اور سنجیدگی سے اس پر غور کرتا، اس نے نامۂ مبارک کو چاک کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارسال کردہ نامہ مبارک کو چاک کردینے والے فرماں روا کا جو حشر اور انجام ہوا۔ اس سے دنیا خوب واقف ہے، اللہ رب العزت نے کسی فرد بشر کے ذریعہ اس کا پیٹ چاک کرادیا جس کے نتیجہ میں وہ اس کارگہ عالم سے رخصت ہوگیا۔ ایرانی حکمراں صرف عربوں ہی کو ذلت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، بلکہ وہ اپنے یہاں کے باشندوں کے ساتھ بھی برا سلوک کرتے تھے، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہاں کے باشندے پریشان اور لرزاں وترساں رہتے تھے۔ ایران اور عرب کے سرحد پر آباد قبائل بھی ایرانی حکمرانوں کے ظلم وستم سے عاجز اور نڈھال ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایرانی حکمرانوں کے ظلم وستم کو روکنے کے لیے قدم بھی اٹھایا اور ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے درخواست بھی کی کہ آپ اس سلسلہ میں ہماری مدد کریں۔ یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ ایرانیوں کی دشمنی اور عداوت سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ آپ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت خالدؓ کی قیادت میں ایک مسلح لشکر ایرانیوں سے مقابلہ کے لیے روانہ کردیا، آپ کے اس اقدام میں دو فائدے تھے۔ پہلا فائدہ تو یہ تھا کہ مسلمان ایرانیوں کی عداوت ودشمنی سے محفوظ ہوجائیں گے اور دوسرا فائدہ یہ تھا کہ اس طرح سے اسلام کی صدائے دل نواز ان کے کانوں میں پہنچ جائے گی، چنانچہ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس روانہ کردہ لشکر نے ایرانیوں کے چھکے چھڑا دیئے اور ایران کے ایک بڑے حصہ کو فتح کر کے اس پر قبضہ کرلیا۔

ایرانیوں کی طرح رومی بھی مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے۔ اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب ان کے دلوں میں کھٹک رہا تھا چنانچہ وہ برابر اس کوشش میں رہتے تھے کہ اسلام اور اس کے ماننے والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ اس کا واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک آدھ مرتبہ حملہ بھی کیا تھا۔ ٹھیک جس وقت مسلمان فوجیں حضرت خالدؓ کی قیادت میں ایرانیوں سے نبرد آزما تھیں، اسی وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دیگر اکابر صحابہؓ کو ایک زبردست فوج دے کر رومیوں کے مقابلہ کے لیے شام کی طرف روانہ کیا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت حضرت خالدؓ ایران کی مہم پر تھے، اور وہاں کی فوج کی قیادت کررہے تھے۔ مگر رومیوں سے مقابلہ کیلیے ان کی اس محاذ پر سخت ضرورت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو خط کے ذریعہ مطلع کیا کہ وہ اپنی فوج کا کمانڈر حضرت مثنیٰؓ کو مقرر کردیں اور وہ فوراً شام کے محاذ پر پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے ایسا ہی کیا، خلیفۃ المسلمین کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوکر شام کے محاذ پر اسلامی فوج سے مل گئے۔ اب اسلامی فوجوں اور رومیوں کا مقابلہ اجنادین کے مقام پر ہوا۔ جس میں مسلمانوں نے رومیوں کو شکست دی۔ اس شکست کی اطلاع جب روم کے فرماں روا ہرقل کو ہوئی تو وہ غصہ سے بے تاب ہوگیا۔ اور اس نے رومی فوجوں کی مدد کے لیے تین لاکھ فوجیں روانہ کیں۔ پھر حق وباطل کا مقابلہ مقام یرموک میں ہوا جس میں رومیوں کے مسلمانوں نے چھکے چھڑا دیئے۔ اسلام دشمن عناصر لاکھوں لاشیں میدان کارزار میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان دشمنان اسلام کی ہمت اتنی پست ہوگئی کہ جلد مسلمانوں سے مقابلہ کی ان کے اندر سکت اور تاب نہ رہی اور ان کو یہ بھی دکھائی دینے لگا کہ اب کچھ ہی عرصہ میں ملک شام ہماری گرفت سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے گا۔ اس معرکہ یرموک کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلام دشمن عناصر کے مقابلہ میں مسلمان فوجیوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد نہ تھی مگر ان کا یقین اس پر تھا کہ فتح وشکست تعداد کی قلت اور کثرت پر منحصر نہیں بلکہ اس کا دارومدار خدا کی نصرت اور مدد پر ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا دور خلافت اپنی قلیل مدت کے باوجود بے مثل تھا۔ اگر آپ کو خلافت کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے زیادہ مدت مل جاتی تو ملک کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا پھر بھی آپ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جن حالات کا مقابلہ کیا اور جن کاموں کو انجام دیا۔ وہ تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کچھ کارناموں اور آپ کی ذاتی حالات کا کچھ تذکرہ کروں کیوں کہ آپ کے ذاتی حالات کی تفصیل کے بغیر آپ کے دور خلافت کا تذکرہ غیر مکمل اور ناقص سمجھا جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافت سے قبل کپڑے کی تجارت کرتے تھے مگر جب آپ کے کندھوں پر بار خلافت آپڑا تو تجارت کے لیے آپ موقع نہ نکال سکے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے باہمی مشورہ سے بقدر کفالت آپ کے گذر اوقات کے لیے بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر کردیا۔ جس سے کسی طرح آپ کے گھریلو اخراجات پورے ہوتے تھے۔ مگر خلیفۃ المسلمین اتنے محتاط تھے کہ وفات کے وقت یہ وصیت کردی کہ ان کی جائیداد فروخت کرکے اتنی رقم بیت المال میں جمع کردی جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دیگر کارنامے تو اپنی جگہ بے مثل ہیں ہی مگر آپ کا یہ بھی ایک اہم کارنامہ ہے کہ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بصد اصرار قرآن پاک کو ایک صحیفہ میں جمع کرایا تا کہ قرآن پاک ضائع نہ ہوسکے۔ ورنہ اس سے پہلے کسی ایک فرد کے پاس مکمل قرآن پاک موجود نہ تھا۔ مختلف لوگوں کے پاس مختلف سورتیں اور آیتیں چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کے پتوں اور اونٹ کی ہڈیوں وغیرہ پر لکھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انتہائی ملنسار، نرم دل، خوش اخلاق، نیک اطوار اور رقیق القلب تھے، کبھی بھی بت پرستی نہیں کی، شراب وکباب کے کبھی بھی قریب نہ ہوئے۔ آزاد لوگوں میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان کی دولت سے مال مال ہوئے، اور ہمیشہ اسلام کے پھیلانے میں پیش پیش رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں میں بھی تھے۔ اسلام کی خاطر جانی اور مالی قربانیوں سے دریغ نہ کیا حتیٰ کہ سفر ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور یارِ غار کہلائے، زندگی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہے۔ آپ کے بعد خلیفۃ المسلمین ہوئے اور مرنے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

عورت: اسلام کے سایہ میں

محمد ناصر بن ایوب ندوی

عورت اس کائنات کا گل سرسبز ہے، اس کے بغیر کائنات کے تمام مناظر سونے اور بے کیف ہیں کائنات اور اس کی نور ونکہت کا تصور ہی عورت کے بدون غیر ممکن ہے، ظاہر سی بات ہے جس کی شہادت قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ''زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ''تو اتنی عظیم الشان اور اہم مخلوق کو بلکہ اہم ضرورت کو اسلام جیسی ہمہ گیر مذہب جو انسان اور انسانیت دونوں کا غمگسار رہے، کیسے نظر انداز کرسکتا تھا اس کے متعلق اس کے دامن میں بہت سے حقوق ہیں جن کی ایک لمبی داستان ہے۔

عورت کے ساتھ دنیا کی تہذیبوں نے جتنا ناروا سلوک کیا اس سے حیوانیت کی جبین بھی عرق آلود ہوجاتی ہے اس میں دنیا کی متمدن تمام اقوام شریک رہے ہیں، اہل یونان کا عقیدہ تھا کہ عورت شیطان کی بیٹی اور نجاست کا مجسمہ ہے، یونانی قانون میں عورت کی حیثیت ایک معمولی سامان کی سی تھی، جب یونانی تمدن کے شباب کا زمانہ آیا تو عورت کو ایسی آزادی ملی کہ وہ ''شمع محفل'' اور ''رونق محفل'' بن گئی جس کے نتیجہ میں بے حیائی وبے غیرتی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی کہ قحبہ خانے ہی سیاست وادب کے مراکز بن گئے اور بالآخر ''دیوی'' کی حیثیت حاصل ہوگئی پھر کیا تھا؟ برہنہ تصویریں جبین نیاز آستانہ بنیں۔ رومی سلطنت میں عورت کو قانونی چارہ جوئی کا قطعی حق حاصل نہ تھا، خالدہ ادیب لکھتی ہیں کہ عورتیں عمر بھر دوسروں کی ولایت میں رہتی تھیں، اصولاً وہ نابالغ سمجھی جاتی ''جس کے سبب مرد اس قانونی تفوق سے بھرپور فائدہ اٹھاتے اور عیسائی مذہب نے تو عورت کو اپنے گناہ کی بیٹی سے خطاب کیا ہے، اسی طرح اسے نہ دوسری شادی کا حق تھا اور نہ وراثت میں حصہ، یہودی نقطۂ نظر سے عورت ناپاک ہے۔ اسی طرح حمورابی کے قانون میں عورتیں جانوروں کی طرح بے زبان سمجھی جاتی تھیں، چین میں عورت کی حالت کا اندازہ ایک چینی گیت کے اس بند سے لگایا جاسکتا ہے کہ عورت کتنی بدنصیب ہے کہ پوری دنیا میں کوئی چیز اس سے بے وقعت نہیں، اگر لڑکا پیدا ہوتا تو بس کیا پوچھیے، مگر لڑکی کی پیدائش پر کبھی شہنائی نہیں بجتی۔ ایران وفارس کا کلچر بھی عورت کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کرتے رہے ہیں جس کی تصویر کشی یہ شعر کرتا ہے

زن و اژدھا ہر دو در خاک بہ ☆ جہاں پاک از ایں ہر دو ناپاک بہ

اسی طرح برہمنی تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا جو ویدی زمانہ میں تھا، منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے شوہر مرجاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہوجاتی وہ بھی دوسری شادی نہ کرسکتی، اس کی قسمت میں طعن وتشنع اور ذلت وتحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہنا پڑتا، اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ ستی ہوجاتی ہیں۔

ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے: بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منوسمرتی میں نہیں ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہوچکی تھی کیوں کہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ غرض کہ سرسبز وشاداب ملک جو فطرت کے خزانوں سے مالا مال تھا، سچی آسمانی مذہب کی تعلیمات سے عرصہ سے محروم ہونے اور مذہب کے مستند ماخذوں کے گم ہوجانے کی وجہ سے قیاسات وتحریفات کا شکار اور رسوم وروایات کا پرستار بنا ہوا تھا اور اس وقت کی دنیا میں جہالت وتوہم پرستی، پست درجہ کی بت پرستی، نفسانی خواہشات اور طبقہ واری ناانصافی میں پیش پیش تھا اور دنیا کی اخلاقی وروحانی رہبری کے بجائے اندرونی انتشار اور اخلاقی بدنظمی میں مبتلا تھے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر:56) (بقیہ صفحہ:۱۴؍پر)

عہد نبوت کی چند درسگاہیں

مولانا محمد شکیب قاسمی

عہد رسالت میں صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت کے لیے چند ایسے مقامات تھے جہاں تعلیم و تعلم کا خاص اہتمام ہوتا تھا، ان مقامات کو ہم دینی مدارس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

مدرسہ صحن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ: سب سے پہلے جس مقام کو ہم اس دور میں تعلیم کا مرکز یا مدرسہ کہہ سکتے ہیں، وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا چبوترہ ہے جو آپ کے گھر کے سامنے تھا، جس پر آپ نماز اور قرآن پڑھا کرتے تھے، اور کفار کے لڑکے اور عورتیں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور قرآن کو سنتے تھے، یہ بات کفار مکہ کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس جگہ کے چھوڑنے پر مجبور کیا۔

مدرسہ دار ارقم: مکی زندگی میں ایسی خاص مرکزی جگہ جس میں مسلمان تعلیم کے لیے بلا روک ٹوک آتے جاتے ہوں اور اس میں طلبہ کے لیے خورد و نوش کھانے پینے اور قیام کا بھی انتظام ہو، اس پریشانی اور بے سروسامانی کے دور میں بظاہر اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، مگر اس وقت حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم ارباب تاریخ و سیر کی ''دار ارقم'' کے متعلق بتلائی ہوئی تفصیلات کو دیکھتے اور پڑھتے ہیں یہ مقام ''کوہ صفا'' کے دامن میں تھا، جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چالیس صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ قیام پذیر تھے، جن میں مرد اور عورتیں سب ہی شامل تھے، دار ارقم کی تاریخی حیثیت واضح کرنے کے لیے ذیل کا اقتباس مناسب معلوم ہوتا ہے: ''یہ دار ارقم دار خیزران کے نام سے مشہور ہے، یہ مکان صفا پہاڑی کے پاس ہے، اس مکان کو خلیفہ منصور نے خرید لیا تھا اور اپنے بیٹے مہدی دے دیا تھا یہ خیزران موسیٰ ہادی اور خلیفہ ہارون رشید کی ماں تھی، اس کے علاوہ کوئی دوسری عورت ایسی نہیں ہے جس کے پیٹ سے دو خلیفہ پیدا ہوئے ہوں، صرف عبد الملک مروان کی باندی ایسی ہے جو اس معاملہ میں خیزران کی ہمسر ہے کیوں کہ وہ بھی خلیفہ ولید اور خلیفہ سلیمان کی ماں ہے۔''
دار ارقم ہی کے زمانۂ قیام میں حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسلام قبول کیا تھا، اس مکان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہؓ قیام پذیر تھے، اور باقاعدہ تعلیم و تعلم میں مشغول رہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اس مکان میں رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تعلیمی مشغلہ جاری تھا، اس ''مدرسہ دار ارقم'' کے نظام پر حدیث عمرؓ کے بیان سے بھی روشنی پڑتی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''مسلمان ہونے والوں کو ایک ایک دو دو کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صاحب حیثیت کے پاس بھیج دیتے تھے اور یہ لوگ ان کے پاس رہ کر کھانا کھاتے تھے، چنانچہ میرے بہنوئی کے گھر بھی دو آدمی موجود تھے، ان میں سے ایک خباب بن ارتؓ تھے، خباب بن ارتؓ میرے بہنوئی اور بہن کے پاس جا کر قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے، یہ ''مدرسہ دار ارقم'' حضرت عثمان بن ارقعؓ کے مکان میں قائم تھا، یہ مکان اس زمانہ میں ''دار ارقم'' کے بجائے اسلام کا مرکزی تعلیمی مقام ہونے کی وجہ سے ''دار الاسلام'' کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور کے اس مختصر مدرسہ کا نظام یہ تھا: (۱) طلبہ کی تعداد چالیس کے قریب تھی (۲) یہی جگہ درسگاہ تھی اور یہی قیام گاہ (۳) نظام طعام یہ تھا کہ طلبہ مالدار اور ذی حیثیت صحابہ کے گھروں پر بطور وظیفہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ بے سروسامانی، ابتلاء و آزمائش، تنگ دستی اور کس مپرسی کے دور میں بھی تعلیم و تعلم کے اس اہتمام کو دیکھ کر کوئی بھی ہوش مند یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک دینی مدارس کی کتنی اہمیت ہے اور اسلام میں تعلیم و تعلم کا مقام اور مرتبہ کتنا بلند ہے۔

مدرسہ شعب ابی طالب و مدرسہ بیت فاطمہ: قریش مکہ کی ہر طرح کی بندشوں اور ستم آرائیوں کے باوجود اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا، اس لیے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر بنی ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے حوالہ نہ کریں تو ان کا مکمل مقاطعہ کیا جائے، ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔ ان کے ساتھ خرید و فروخت بند کر دی جائے، ان کو کھانے پینے کا سامان نہ دیا جائے، ان سے کسی قسم کا ربط و ضبط نہ رکھا جائے۔ غرض ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کر لیے جائیں۔ مشرکین کی شرط ایسی تھی کہ کوئی با حمیت ہاشمی اسے پوری کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکتا تھا، اس لیے ابو طالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی میں جو انہی کے نام کی نسبت سے ''شعب ابی طالب'' مشہور تھی تین سال گذرنے کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بعض قریبی اعزہ کو رحم اور رحم کے ساتھ حمیت آئی۔ انہوں نے طے کیا کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنا چاہیے۔ چنانچہ مخزومی، زمعہ بن الاسود، مطعم بن عدی اور زبیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے۔ ان ایام میں بھی حضرات صحابہؓ نے تعلیم جاری رکھی۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ اس کے علاوہ مکہ معظّمہ میں ہجرت سے قبل حضرت عمرؓ کے بہنوئی اور بہن کے مکان پر بھی حضرت خباب بن ارتؓ کے قرآن پڑھانے کا ذکر اوپر آ چکا ہے، نیز مدرسہ ''بیت فاطمہ'' اور ''مدرسہ شعب ابی طالب'' (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ 7 نبوی سے لے کر 10 نبوی تک قریش مکہ کے ظالمانہ مقاطعہ کی وجہ سے تین سال کا زمانۂ اسارت گزارا ہے) وغیرہ میں بھی تعلیم جاری تھی، اس کے نتیجہ میں فضلاء مکہ کی ایک جماعت تیار ہو گئی اور وہ دوسرے مقامات پر بھی تعلیمی کام کرنے لگی۔

مدرسہ حبشہ: جب کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بعض صحابۂ کرامؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی تو انہوں نے وہاں پر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اس کو ''مدرسہ ارض حبشہ'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حبشہ ہجرت کے بعد نجاشی بادشاہ حبشہ سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا محادثہ تاریخ میں محفوظ ہے: ''نجاشی بادشاہ حبشہ نے نو وارد مسلمانوں کو بلا کر ان سے پوچھا تھا کہ تم نے وہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونوں کے خلاف ہے، اس استفسار پر حضرت جعفرؓ یوں گویا ہوئے ''ایہا الملک! ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکرداری اور قطع رحم کرتے تھے، ہمسایوں کے ساتھ زیادتی کرتے تھے، ہم میں طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا، ان حالات میں اللہ نے ہمیں ایسا پیغمبر دیا، جس کی صداقت، پاک بازی، امانت داری اور حسب و نسب سے ہم واقف ہیں، اس نے ہمیں معبود واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم بتوں کی پرستش چھوڑ دیں، صرف معبود واحد کی عبادت کریں، سچ بولیں، امانت داری اور صلہ رحمی کریں وغیرہ۔ یہی وہ تعلیم ہے جو حضرات صحابہؓ نے نتائج کی فکر کیے بغیر بہتر طور پر انجام دی، جو کہ تاریخ میں سنہرے حروف سے مذکور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل ہی مدینہ منورہ میں چند درسگاہیں قائم ہو چکی تھیں، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی بہت سے صحابہؓ مدینہ منورہ ہجرت کر چکے تھے اور اسلام کے پیغام کو وہاں عام کر چکے تھے۔

مدرسہ قبا: مدرسہ قبا کا ایک مستقل تعلیمی نظام تھا اور یہ تعلیمی مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی قائم ہو چکا تھا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کرنے والے مہاجرین عموماً ''قبا'' ہی میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ قبا میں اسلام کب داخل ہوا؟ اس تعلق سے حضرت علامہ شبلی نعمانی کا ایک اقتباس ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے حوالے سے نذر قارئین کیا جا رہا ہے: ''قبا'' میں اسلام کا داخلہ اسلام کے دور خاص کی ابتداء ہے، اس لیے مورخین نے اس تاریخ کو اہمیت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے، اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ 8 ربیع الاول 13 نبوی مطابق 20 ستمبر 622ء تھی، محمد بن موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ایلول 923ء اسکندری کی دسویں تاریخ تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن عمرو بن عوف کے یہاں قبا کے مقام پر اترے، یہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کی 12 تاریخ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عمرو بن کلثوم ابن ہدم کے گھر قیام فرمایا، یہ بن عمرو کے ایک بزرگ تھے، بن عمرو کا خاندان قبیلہ اوس میں سے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت کلثوم کے یہاں تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس اور صحابہؓ کے ساتھ نشست سعد ابن خیثمہ کے مکان پر فرماتے اور یہاں بھی ایک مستقل سیکھنے اور سکھانے کا نظام مرتب تھا۔

اصحاب صفہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی اور حجرۂ مبارکہ کی پشت پر جانب شمال باب جبریل علیہ السلام اور باب النساء کے درمیان وسیع تر چبوترہ ''دکۃ الاغواث'' کے نام سے موسوم تھا، اس پر جو حضرات فروکش ہوتے تھے وہ ''اصحاب صفہ'' کہلاتے تھے اور یہی چبوترہ کبھی ''اصحاب صفہ'' کا ''صفہ'' تھا، یہاں پر طلبہ کا ہجوم رہتا، بعض اوقات سینکڑوں کی تعداد ہو جاتی، تمام اصحاب صفہ کی مجموعی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے، مختلف اوقات میں اس صفہ کے طالب علموں کی تعداد 70، 80 تک پہنچ جاتی، حضرت معاذ بن جبلؓ کے یہ کام سپرد تھا کہ جو امداد اصحاب ثروت کی طرف سے ان طلبہ کے لیے آئے اس کی حفاظت کریں اور اُن پر برابر سرابر تقسیم کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے ذمہ طعام کا انتظام ہوتا تھا، کھانے کے سلسلہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھجوروں کے گچھے مالدار صحابہؓ بھیج دیا کرتے تھے، اور بعض مالدار صحابہؓ اُن طلبہ کو اپنے ساتھ لے جاتے، اور انہیں کھانا کھلا دیتے، ان میں حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاضی سے کام لیتے تھے، حتی کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اسّی اسّی طلبہ کو اپنے ہمراہ گھر لے جا کر ان کو کھانا کھلاتے۔ اس متبرک درسگاہ کے صحیح تعارف کی غرض سے ''سیرت حلبیہ'' کے اس اقتباس کا ذکر یہاں قطعی طور پر غیر مناسب نہ ہوگا۔

''مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مسجد کے ایک حصہ کو الگ کر کے اس پر سائبان ڈال دیا گیا تھا، یہ جگہ غریب و مسکین صحابہؓ کے لیے ایک پناہ گاہ کے طور پر استعمال میں لائی جا رہی تھی، اسی جگہ کو ''صفہ'' کہا جاتا ہے اور یہاں کے مکینوں کو ''اصحاب صفہ'' سے یاد کیا جاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز عشاء کے وقت اصحابِ صفہ کے طعام کی ذمہ داری دوسرے اہل وسعت صحابہؓ کو دے دیا کرتے مگر اس کے باوجود بھی ایک جماعت ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر شریک رہتی تھی۔ یہ اصحاب صفہ ان درویش صحابہؓ کی جماعت تھی، جن کا نہ کوئی گھر تھا نہ کوئی مکان، نہ کھانے کو روٹی تھی نہ ضرورت کے بقدر کپڑے انہیں میسر تھے۔ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور راہ خدا کے فدائی تھے۔ یہ لوگ توکل علی اللہ اور اخلاص کے جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے نمونہ تھے۔ نہ تجارت سے انہیں کوئی واسطہ تھا اور نہ زراعت و ملازمت سے سروکار، ان کا مشغلہ ذکر الٰہی تھا اور اُن کا کام قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرنا تھا۔''

جامعہ صفہ کے فاضلین ''قراء'' کہلاتے تھے، یہیں کے طلبہ نے دنیا میں اسلام کے علوم کو پھیلایا اور یہی حضرات باہر تعلیمی خدمات کے لیے بھیجے جاتے تھے، انہیں میں سے قراء کی ایک جماعت کو جن کی تعداد 70 تھی قبیلۂ عرینہ کی درخواست پر قرآن و سنت کی تعلیم کے لیے بھیجا گیا تھا، پھر اس قبیلہ کے لوگوں نے ان کو دھوکہ سے شہید کر دیا تھا۔ عہد رسالت میں جامعہ صفہ کے علاوہ مدینہ منورہ میں دوسرے مدارس کا ذکر بھی علامہ سمہودی نے کیا ہے، بعض کا ذکر اوپر اجمالی طور پر بھی ہو چکا ہے۔

اعلان مفقود الخبری

معاملہ نمبر ۷۳/۲۰۸۲/۱۴۴۴ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ انجمن اسلامیہ کشن گنج)

شبانہ خاتون بنت محمد شاکر عالم، مقام گیرا ماری، ڈاکخانہ چھترگاچھ، ضلع کشن گنج۔۔۔۔۔فریق اول

بنام

محمد عزیز الرحمان ولد محمد کلیم الدین مرحوم، مقام ارا باری، ڈاکخانہ رائے پور، ضلع کشن گنج۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف دارالقضاء امارت شرعیہ انجمن اسلامیہ کشن گنج میں تقریباً ۹/ سالوں سے غائب و لا پتہ ہونے، نان و نفقہ نہ دینے اور حقوق زوجیت سے محرومی کی بناء پر فسخ نکاح کا معاملہ درج کیا ہے، لہذا اس اعلان کے ذریعے آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع مرکزی دارالقضاء پھلواری شریف، پٹنہ کو دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۱۸/ شعبان ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۱/ مارچ ۲۰۲۳ء روز سنیچر کو بوقت ۹/ بجے دن آپ خود مع گواہان و ثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت

معاملہ نمبر ۱۷/۵/۲۵۰۲۱/۱۴۴۳ھ

شیریں فاطمہ بنت محمد اسلام الدین، مقام نیو ملت کالونی، سیکٹر ۲/ پھلواری شریف، ضلع پٹنہ۔۔۔فریق اول

بنام

محمد مناظر حسن ولد سلیمان احمد مرحوم، مقام کاغذی محلّہ، ڈاکخانہ بہار شریف، ضلع نالندہ۔۔۔فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف ایک سال سے غائب و لا پتہ ہونے، نان و نفقہ و حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ میں فسخ نکاح کا معاملہ درج کیا ہے، لہذا اس اعلان کے ذریعے آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں آئندہ تاریخ سماعت ۱۵/ مارچ ۲۰۲۳ء مطابق ۲۲/ شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ روز بدھ کو بوقت ۹/ بجے دن آپ خود مع گواہان و ثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت

بقیـــات

(بقیہ صفحہ اول)

جب امارت شرعیہ قائم ہو جائے جیسا کہ الحمد للہ صوبہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ وغیرہ میں قائم ہے تو اس کے تحت فوری طور پر بیت المال کا شعبہ قائم کیا جائے، جس میں کام کرنے والے عاملین کی ایک بڑی تعداد ہو۔ وہ لوگوں سے زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ مثلاً عشرہ وغیرہ وصول کریں اور بیت المال کے ذریعہ اسے اسکے صحیح مصارف میں خرچ کیا جائے۔

زکوٰۃ کا مصرف کیا ہے؟ اور زکوٰۃ کی تقسیم کن لوگوں کے مابین ہونی چاہئے اس کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے سورہ براۃ میں واضح حکم نازل فرمایا: ارشاد ہے ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبِهِمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (توبہ: ۶۰) صدقات واجبہ تو صرف غریبوں محتاجوں اور ان کارکنوں کے لئے ہیں، جو اس کام پر مقرر ہیں، نیز ان کا جنکی دلجوئی مقصود ہے، اور صدقات کو صرف کیا جائے گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضہ ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی امداد میں، یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو اختیار نہیں کہ اپنی پسندیدگی سے اس کیلئے مصرف تجویز کرے اور اس میں خرچ کرے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے خود مصرف مقرر فرما دیا ہے اور طے فرما دیا ہے کہ ان مدات کے سوا ان کو دوسری جگہ خرچ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ آیت میں کل آٹھ مصارف بیان ہوئے، یہ منصوص مصارف، زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ دائمی ہیں؛ البتہ مؤلفۃ القلوب کے بارے میں اکثر علماء، ائمہ اور فقہاء کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کی وجہ سے اب ان کے حصہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس سلسلے میں قاضی ابوبکر ابن العربی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل ہو تو ضرورت نہیں، لیکن اگر اس کی ضرورت محسوس کی جائے تو ان کو اسی طرح دینا چاہئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے۔۔ قاضی ابوبکر کی اس رائے کو علامہ مناظر احسن گیلانیؒ، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر علماء نے پسند فرمایا ہے۔

مدارس اسلامیہ میں زیر تعلیم طلبہ بالاتفاق زکوٰۃ کا مصرف ہیں، بعض علماء انہیں ابن سبیل میں اور بعض انہیں فی سبیل اللہ یا فقراء ومساکین میں داخل مانتے ہیں۔ ان طلبہ کے لئے ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مدارس اسلامیہ کی طرف سے زکوٰۃ کی وصولی کا انتظام ہوتا ہے، اور زکوٰۃ کی وصولی کا کام مدرسہ کے اساتذہ، سفراء اور مبلغین انجام دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مدارس کا اتنا عظیم ڈھانچہ زکوٰۃ وصدقات کی رقم پر ہی اصلاً قائم ہے۔ اور بلاشبہ یہ مدارس دین کے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں؛ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مدارس کا منتشر طور پر زکوٰۃ وصول کرنا اور اس کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرنا، کمیشن وغیرہ پر چندہ کروانا، شریعت اسلامیہ کی روح سے ہم آہنگ نہیں ہے؛ لہٰذا جن صوبوں میں امارت شرعیہ کا نظام قائم ہے اور اس کے تحت بیت المال ہے۔ ان صوبوں کے مدارس کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنا انسلاک بیت المال سے کریں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو امیر شریعت کی طرف سے انہیں باضابطہ رقم کی وصولی کی اجازت دی جائے اور وہ اس کی آمد وخرچ کا حساب بیت المال میں داخل کریں، اگر ایسی صورت ہو جائے تو زکوٰۃ وصول کرنے والے سفراء ومحصلین ''عاملین علیہا'' کے مصرف میں داخل ہوسکتے ہیں۔ لیکن کمیشن پر چندہ کرنا بہرصورت ناجائز رہے گا۔ جن صوبوں میں نظام امارت قائم نہیں ہے، ان میں اس نظام کو قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، جب تک یہ نظام قائم نہ ہو جائے ارباب مدارس اس علاقے کے ارباب حل وعقد کے مشورے سے اس کام کو کر سکتے ہیں، یا اس کے لئے کوئی انجمن، تنظیم وغیرہ بنائی جاسکتی ہے جو صالح وبہترین افراد پر مشتمل ہو اور زکوٰۃ کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کر سکے۔ آج مختلف ناموں سے غیر معتبر تنظیموں کے قیام کا ایک فیشن سا چل پڑا ہے، جو اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کر کے امراء سے رقمیں حاصل کرتے ہیں اور من مانے طور پر جائز وناجائز مصارف میں اسے خرچ کرتے ہیں۔ ایسی انجمن، تنظیم اور فاؤنڈیشن کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی۔ ورنہ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کی جو روح ہے، وہ ختم ہو کر رہ جائے گی اور وہ انفرادی نظام کی طرح ہو جائے گا۔

(بقیہ یادوں کے چراغ)

انھوں نے کئی موقعوں پر اینکروں کی بولتی بند کردی اور ایک موقع پر مباحثہ میں شریک ایک خاتون نے جب ان پر ہاتھ چلا دیا تو انھوں نے اس خاتون کی جم کر دھلائی کی، جس کی پاداش میں انھیں کئی ماہ جیل میں گزارنا پڑا، بڑوں کے مشورہ سے انھوں نے ادھر ٹی وی مباحثوں میں جانا بند کر دیا تھا، مفتی صاحب مسلمانوں میں سیاسی بیداری لانا چاہتے تھے اور اس کے لئے انھوں نے مسلم سیاسی پارٹی کے قیام کا ایک منصوبہ بنایا تھا جو اتفاق سے آپسی بحث ومباحثہ کی نظر ہو گیا، انہوں نے اپنی پوری زندگی دینی رہنمائی، ملی سرگرمی اور سیاسی بیداری کے لئے وقف کر دیا تھا، دہلی میں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر ان کے جاننے اور ماننے والوں کا وسیع حلقہ تھا، ان کے روابط ہم وبیش ملک کے تمام ملی تنظیموں سے تھے وہ سب کے کام آنا چاہتے تھے اور اپنی بساط بھر اپنے ہم عصروں کی صلاحیت کو مہمیز کر کے آگے لے جانے کا جذبہ رکھتے تھے آج جو لوگ سوشل میڈیا پر ہمارے درمیان چھائے ہوئے ہیں، ان کی تربیت میں مفتی اعجاز ارشد قاسمی کے کلیدی کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا بہت سے مضمون لکھنے والے بھی ان کی رہبری کے ممنون ہیں، سماجی زندگی میں ان کی خدمات کے واضح نقوش اسٹوڈنٹس اسلامک فیڈریشن مدھوبنی کی شکل میں ہمارے سامنے آئے پہلے مولانا نے اسے گاؤں کی سطح پر بنایا پھر مولانا غفران ساجد قاسمی وغیرہ کے مشورہ سے آل مدھوبنی اس کے دائرے کو پھیلایا اور اس فیڈریشن کے ذریعہ انھوں نے بہت سارے سماجی کام زمینی سطح پر کیے، مفتی اعجاز صاحب سے میری پہلی ملاقات امارت شرعیہ میں ہوئی تھی، میں مدرسہ احمدیہ ابابکر پور سے امارت شرعیہ آچکا تھا، ان کی کتاب "من شاہ جہانم" تازہ تازہ چھپ کر آئی تھی، خود ہی لے کر امارت شرعیہ پہونچے اور پیش کیا میں نے اس پر ایک تفصیلی تبصرہ نقیب میں لکھا تھا جو اب میری کتاب نقد معتبر میں بھی شامل ہے۔

اس کے بعد کبھی دہلی کبھی پٹنہ اور کبھی مدھوبنی میں ملاقاتیں ہوتی رہیں ان کے بعض افکار وخیالات بلکہ بعض بیانات سے بھی میرا اختلاف رہا؛ لیکن ان کی محبت اور خلوص میں کوئی کمی کبھی نہیں آئی اور دل کے تاروں پر کبیدگی کا کوئی بل نہیں آیا، وہ مجھے اپنا بڑا سمجھتے تھے، کبھی آمنا سامنا ہوتا تو کاموں کے سلسلے میں مشورہ بھی لیتے، میرے شاگرد مولانا اظہار الحق قاسمی سے ان کا یارانہ تھا اور وہ ایک دوسرے کے کام آیا کرتے تھے اس حوالہ سے بھی وہ مجھے محترم سمجھا کرتے تھے۔

ادھر جب ساتویں امیر شریعت نے تنظیم کو مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا جس کے ضلعی اجلاس میں وہ خود بھی موجود رہا کرتے تھے، ان کی موجودگی کی وجہ سے لوگوں کا رجوع عام ہوتا تھا، ایسا ہی ایک اجلاس مدرسہ فلاح المسلمین گوا پوکھر مدھوبنی میں مؤرخہ 6/7/ اپریل 2019ء کو منعقد ہوا تھا، مولانا اعجاز ارشد سے میری آخری ملاقات اسی موقع سے ہوئی تھی پہلے ہی کی طرح ٹوٹ کر ملے اور دونوں دن مدھوبنی میں رہے حضرت امیر شریعت صاحب سے بھی کئی امور پر تبادلہ خیال کیا اس کے بعد کورونا کی وبا پھیلی اور آمد ورفت کے راستے مسدود ہو گئے، میں خود بھی گزشتہ مارچ اپریل میں دہلی میں ہی کورنٹائن رہا؛ لیکن ملاقات کی نوبت نہیں آئی جوان تھے، سرگرم تھے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس قدر جلد ہم سے جدا ہو جائیں گے انسان بھی بڑا عجیب ہے کتنے لانے منصوبے باندھتا ہے کیسی کیسی امیدیں لگاتا ہے حالانکہ حقیقت تو یہی ہے کہ

قزاق اجل کا لوٹے ہے   دن رات بجا کر نقارہ

مفتی صاحب کو بھی اجل نے لوٹ لیا نو بہن اور دو بھائیوں میں سے مفتی صاحب ہی اللہ کے حکم سے اجل کی پسند بن گئے ہم سب کی دعائیں تمنائیں اور خواہشیں حیرت سے منہ تکتی رہ گئیں اور مفتی صاحب اس اللہ کے پاس چلے گئے جس کے دین کی سربلندی کے لئے وہ ہمیشہ سرگرداں رہا کرتے تھے الوداع مفتی صاحب الوداع اب ملاقات ان شاء اللہ قیامت میں ہی ہوگی۔

بقیہ: عورت اسلام کے سایہ میں

دور جاہلی کے معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم وبدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی، اس کے حقوق پامال کیے جاتے تھے اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی، شوہر کے مرنے کے بعد یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہوسکتی، کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لیے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں۔ لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ درگور کرنے کا بھی رواج تھا جشم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام ہی قبائل میں رائج تھا، خرچ ومفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے عرب کے بعض شرفاء وروساء ایسے موقع پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے صعصعہ بن ناجیہ کا بیان ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت تک میں 30 زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو خرید کر بچا چکا تھا، بعض اوقات کسی سفر یا مشغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی تو جاہل باپ دھوکہ دے کر اس کو لے جاتا اور بڑی بے دردی سے اس کو زندہ درگور کر آتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلہ کے بڑے اندوہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کیے ہیں۔ غرض یہ کہ عورت کو ہر مذہب وملت میں فراموش کیا گیا، خال خال کہیں کہیں رعایت ملتی ہے، مثلاً فرانس نے 586ء میں عورت پر یہ احسان کیا کہ عورت ہے تو انسان مگر وہ مرد کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

عورت اسلام کے آنگن میں: اسلام جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس نے عورت کے حقوق کا بیڑا اس انداز سے اٹھایا کہ عورت کو عورت بنا دیا اس کی عظمت کو تسلیم کیا اسے حقوق دیے اس کے سر پر محبت کا دوشالہ رکھا، ماضی کی بے اعتدالیوں اور حال کی ناروا آزادیوں کے درمیان اعتدال کی راہ اسلام نے ہی پیش کی، اسلام نے انسانی لحاظ سے عورتوں کی حیثیت عرفی بحال کی جو صدیوں سے مجروح چلی آرہی تھی۔ اور اس نظریے کی تردید کردی کہ عورت مرد کے مقابلے میں کمتر درجے کی جنس ہے، قرآن نے کہا: "یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ......الخ" دختر کشی پر پابندی عائد کر کے اسے جینے کا حق دیا۔ اسلام میاں بیوی کے تعلقات کو شرافت وانسانیت کے معروف ومستحسن طریقوں کے مطابق دیکھنا چاہتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے "وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" (النساء: 19) اسلام عورتوں کے مالکانہ حقوق برقرار رکھے اور نان ونفقہ کی ساری ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے، علماء شریعت نے لکھا ہے کہ عورت مالدار ہو جب بھی نفقہ شوہر ہی کے ذمہ رہتا ہے اور شوہر کو اس کے مال پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ "لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ" (النساء: 32) مردوں کا حصہ اس میں جو وہ کمائیں اور عورتوں کا اس میں سے جو وہ کمائیں شوہر خرچ پورا نہ کرتا ہو تو قاضی یا صاحب امر معاملات پر غور کر کے کوئی قدم اٹھا سکتا ہے، اسلام نے دوسرے مذاہب کے برخلاف عورت کو میراث کا بھی حقدار ٹھہرایا، حالاں کہ عورت اپنے خاوند کی وارث ہوتی ہے اور یہ بھی اسلام نے قانون بنایا کہ شوہر کے بعد بیٹے نہ ہوں تو عزیزوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اسلام سوسائٹی کا ارتقاء مرد وزن دونوں کی صفات وخصوصیات برقرار رکھ کر کرنا چاہتا ہے تاکہ ہر ایک اپنے دائرہ کار اور حدود اختیار میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملے اور اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں فرمائی ہیں وہ بروئے کار آئیں۔

اسلام عورتوں کو علمی وثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے اور طلب علم کو ان کے لیے بھی ضروری اور فرض قرار دیتا ہے، اسی طرح عورتوں کو زندگی کے جائز سرگرمیوں میں حصہ لینے کی پوری اجازت ہے مگر اس میں اس کا خیال ضروری ہے کہ یہ سرگرمیاں فطرت سے مناسبت رکھتی ہوں اور عورت کا وقار مجروح نہ ہوتا ہو، جہاں تک قرآن میں مردوں کو یک گونہ فضیلت دینے کا جواز ہے، اس میں بھی فطرت انسانی کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اس کے پیچھے عورت کے لیے شفقت اور ہمدردی ہی کا جذبہ کارفرما ہے، مردوں کی قوامیت کا مطلب عورت کی حفاظت ورعایت اور مشفقانہ دیکھ بھال اور نگہداشت ہے، ایسا کرنا اس لیے ضروری تھا کہ معاش کی ساری ذمہ داری مرد ہی پر ہے، اس لیے عورت کی حفاظت اور خانگی امور کی خبر گیری کا ذمہ دار بھی اسی کو بنایا گیا پھر اس کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے کہ یہ قانون نہیں بلکہ ایک رہنما اصول ہے، اسلام نے عورتوں کی بحالی کے سلسلہ میں جو اقدامات کیے ہیں ان کی حیثیت تاریخی ہونے کے ساتھ عصری اور ہمہ گیر اہمیت کی بھی حامل ہے، اسلام نے عورتوں سے متعلق جو قوانین بیان کیے تو وہ صرف خشک قوانین ہی نہیں، بلکہ مردوں کے دلوں میں ان کے لیے نرم گوشے بھی رکھے گئے اور ہمدردی وغم خواری، فیاضی، انسانیت، مروت، رحم ومہربانی، شرافت واعلیٰ ظرفی کی اتنی تاکید کی گئی کہ معاشرے میں ان قوانین کے عملی نفاذ کی دشواریاں ختم ہو کر ان کے لیے آمادگی اور خوش دلی پیدا ہوگی۔

هفتـــۂ رفتـــہ

محمد اظہار

جب شادی ہی تسلیم نہیں، تو جہیز اذیت کا مقدمہ بھی نہیں: سپریم کورٹ

سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ اگر شادی نامنظور ہو چکی ہو تو پھر جہیز اذیت کا مقدمہ نہیں بن سکتا۔ اگر شادی ہی قبول نہ ہو (یعنی شادی تسلیم ہی نہیں کی گئی ہو) تو دستور ہند کی دفعہ 498اے (جہیز اذیت) کا مقدمہ نہیں چل سکتا ہے۔ موجودہ معاملے میں ملزم کو اس دفعہ کے تحت قصوروار قرار دیا تھا۔ واضح ہو کہ مذکورہ شادی 4 دسمبر 2023 کو ہوئی تھی۔ شادی کے بعد ہی شوہر بیوی میں اختلاف ہو گیا اور دونوں الگ الگ رہنے لگے۔ بیوی نے کنیا کماری تھانہ میں شوہر کے خلاف مقدمہ درج کرایا۔ ٹرائل کورٹ نے سبھی کو درج مقدمہ میں بری کر دیا تب معاملہ ہائی کورٹ اور پر سپریم کورٹ تک پہنچا۔ جب یہ معاملہ سپریم کورٹ پہنچ گیا اور بتایا گیا کہ دونوں فریق کی شادی کو غیر تسلیم شدہ قرار دیا جا چکا ہے۔ مدراس ہائی کورٹ نے شادی کو ناقابل قبول قرار دیے جانے پر اپنی مہر لگا دی تھی۔ ایسی صورت میں جہیز اذیت کا مقدمہ نہیں بنے گا۔ اس کے لیے سپریم کورٹ کے فیصلے کا بھی حوالہ دیا گیا۔ اس کے بعد سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اس بات میں شک نہیں کہ دونوں فریقین کی شادی غیر تسلیم شدہ قرار دی جا چکی ہے۔ اس لیے جہیز اذیت کا بیس نہیں بنے گا۔ سپریم کورٹ شیو چرن لال ورما سے متعلق معاملے میں بھی یہی فیصلہ دے چکی ہے۔ ادھر دفعہ 370 کو خارج کرنے کے فیصلے کو چیلنج کرنے والی عرضیوں پر سپریم کورٹ نے کہا کہ ان عرضیوں کو جلد ان لسٹ کرنے پر فیصلہ کیا جائے گا۔ چیف جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ، جسٹس پی ایس نرسمہا اور جسٹس جے بی پاردیوالا کی بنچ نے ایک فریق کی جانب سے پیش وکیل راجو رام چندرن نے دلائل پر غور کیا کہ ان عرضیوں پر فوری سماعت ضروری ہے۔ (ایجنسی)

ہماچل کے 4 اراکین اسمبلی نے سرکاری سہولت چھوڑی

ہماچل پردیش کے چار اراکین اسمبلی نے سرکاری سہولت چھوڑ دی ہے۔ ان اراکین اسمبلی میں سنجے اوستھی، راجیش دھرمانی، ونود سلطان پوری شامل ہیں اور ان کے علاوہ بی جے پی کے سرکردہ اور تیز طرار لیڈر ڈاکٹر رجیو بندل کو شکست دے کر ناہن سے پہلی بار ایم ایل اے بننے والے اجے سولنکی نے پی ایس او لینے سے انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے سرکاری اخراجات بچانے کے مقصد سے پی ایس او نہ لینے کا اعلان کیا ہے۔ یاد رہے سنجے اوستھی چیف پارلیمانی سکریٹری بھی ہیں۔ ان کے اس فیصلے کی کافی تعریف کی جا رہی ہے۔ (یو این آئی)

بہار پولس کے سوشل اکاؤنٹ پر سنبھل کر کریں پوسٹ

بہار پولس کے کسی بھی سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر کچھ بھی پوسٹ کرنے سے قبل غور و فکر ضرور کر لیں اور کوئی بھی پوسٹ سوچ سمجھ کر کریں۔ بہار پولس کے سبھی ضلعوں کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کو تیار کر کے متحرک کر دیا ہے۔ تیزی سے بدل رہے زمانے میں بہار پولس نے سبھی ضلعوں کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کو متحرک کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں پولس ہیڈکوارٹر نے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کو لے کر نیا ضابطہ جاری کیا ہے۔ 28 پہلوؤں پر جاری ضابطہ میں سبھی باتوں کی وضاحت تحریری طور پر کی گئی ہے۔ اگر اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی پایا جائے گا تو اس پر پولس کی طرف سے ضروری کارروائی ہوگی۔ پولس کے آفیشیل سوشل سائٹ پر کسی بھی طرح کا اشتعال انگیز پوسٹ نہیں کرنا ہے۔ ساتھ ہی ناشائستہ زبان، توہین آمیز الفاظ، خوف پیدا کرنے والے اور تشدد کو بڑھاوا دینے والے پوسٹ نہیں کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ کوئی بھی ایسا بیان یا پوسٹ نہیں کرنا ہے جس سے کسی بھی متاثرہ یا کسی دیگر کے تئیں توہین آمیز باتیں ہو۔ ہیڈکوارٹر نے کہا ہے کہ سوشل میڈیا پوسٹ پر آئی شکایتوں میں انہیں پوسٹ کا جواب دیا جائے گا جس میں نام، وقت، تاریخ اور مخصوص مقام کا نام کا ذکر ہوگا۔ تبھی پولس متعلقہ معاملے میں جواب دیگر آگے کی کارروائی کے لیے ہدایت دے گی۔ ہدایت ہے کہ اگر کوئی بھی شخص ضلع کے پولس محکمہ سے متعلق کوئی کمی بتانا چاہتے ہیں تو واقعہ کے سلسلے میں واضح جانکاری دیتے ہوئے ثبوت کو دستیاب کرائیں۔ سیاسی پوسٹ کرنے کے سلسلے میں بھی منع کیا گیا ہے۔ پولس ہیڈکوارٹر کے مطابق بہار پولس کے کسی بھی سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر کچھ بھی پوسٹ کرنے سے پہلے اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ پولس ہیڈکوارٹر کے ذریعہ اس سلسلے میں جو ضابطہ جاری کیا گیا ہے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پائے جانے پر متعلقہ کے خلاف مناسب کارروائی کی جائے گی۔ ہدایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی بھی طرح کا اشتعال انگیز پوسٹ نہیں کرنا ہے۔ (پریس رپورٹ)

طب وصحت

بیماریوں سے نجات کے لئے سبزیاں کھایئے

ہمارے یہاں گوشت کھانے کو انسانی ترقی اور تہذیب و تمدن کی نشانی مانا جاتا ہے، جب کہ صحت و تندرستی کے لئے سبزی خوری کو غیر مفید اور فضول قرار دیا جاتا ہے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آج سبزی خوری کی عادت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ زمانہ قدیم و جدید میں متعدد مشاہیر عالم گوشت خوری سے متنفر اور سبزی خوری کے شائق رہے ہیں۔ فیثاغورس، سقراط اور افلاطون کو بھی سبزی خوری مرغوب تھی، گو انھوں نے گوشت بالکل ترک نہیں کیا تھا۔ دراصل سبزی خوری کو بدنام ان لوگوں نے کیا، جنھوں نے جانوروں کو ذبح کرنے پر واویلا کیا اور خود ایسی غذائیں کھائیں، جن کو طبیعت قبول نہیں کرتی تھی، مثلاً صرف چاول، حالانکہ عام سبزی خور متنوع غذائیں کھا کر صحت مند اور خوش باش رہ سکتے ہیں۔ آج کے دور میں سبزی خوری کا رواج بڑھ رہا ہے اور کھانے والوں میں ہر عمر کے لوگ شامل ہیں۔ سبزی خوروں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ اول تو مطلق سبزی خور ہیں، جو کسی بھی قسم کی حیوانی غذا نہیں کھاتے اور ان کی ہر غذا پودوں سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری قسم ان افراد کی ہے، جو سبزیوں کے ساتھ دودھ اور دودھ سے بنی اشیاء مثلاً دہی، پنیر وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں، جو ان سب کے علاوہ انڈے بھی کھاتے ہیں۔ آخر میں جزوی سبزی خور ہیں، جو گاہے بگاہے گوشت، مچھلی، مرغی اور انڈے بھی کھا لیتے ہیں خواہ مجبوراً یا دوست واحباب کی خاطر۔ بعض صرف مچھلی کھا لیتے ہیں۔ آج کے دور میں لوگ سبزی خوری کی طرف صحت کی خاطر زیادہ راغب ہو رہے ہیں، کیونکہ گوشت بدہضمی، متعدد کیمیائی اشیاء اور عفونتی اجزاء کو جسم میں داخل کرنے کا بھی سبب ہے۔ گزشتہ صدی سے اہل مغرب میں سبزی خوری کی عادت میں اضافہ ہوا ہے۔ پھر ماحولیاتی سوچ بچار نے بھی سبزی خوری کو فروغ دیا ہے اور جوانوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ اس سوچ میں یہ حقیقت کارفرما ہے کہ جانوروں کو پودے کھلانا اور پھر جانوروں سے گوشت حاصل کرنا ارضی وسائل کا زیاں ہے کہ دو سے دس پونڈ اناج کھلا کر صرف ایک پونڈ خوردنی گوشت حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک ایکڑ زمین سے 10 گنا زیادہ نباتی لحمیات (پروٹینز) حاصل کی جا سکتی ہیں، یعنی اس سے کہیں زیادہ جس قدر اس زمین پر چارا پیدا کر کے جانوروں سے حاصل ہوتی ہیں۔ امریکہ میں 90 فیصد سویابین، مکئی، جئی اور جَو، جانوروں کو کھلا دیے جاتے ہیں۔ اگر یہ اناج انسان کھائیں تو بڑی مقدار باقی بچ جائے، پھر گوشت خوروں میں بعض قسم کا زہریلا مواد بھی جمع ہو کر مضر ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ انسانی غذا سے گوشت خارج کرنا انسانی جبلت کے خلاف ہے، حالانکہ یہ خیال درست نہیں۔ دراصل انسان اپنی ساخت کے لحاظ سے بڑی حد تک سبزی خور اور جزوی طور پر گوشت خور ہے۔ ہمارے دانت گوشت خور حیوانوں کی طرح نہیں ہیں۔ ان حیوانوں کے جانبی دانت لمبے، مضبوط اور نوکیلے ہوتے ہیں، جب کہ سامنے کے چھوٹے دانت چیرنے پھاڑنے اور کاٹنے کے لئے ہوتے ہیں۔ ان کے جبڑے دائیں بائیں حرکت نہیں کرتے اور اسی لئے یہ غذا کو نہ چبا سکتے ہیں اور نہ پیس سکتے ہیں، بلکہ ہڑپ کر لیتے ہیں۔ انسانی دانت سامنے سے بہت تیز ہوتے ہیں، جو غذا کو کترتے اور ٹکڑے کرتے ہیں، لیکن جانبی دانت چھوٹے اور چپٹے ہوتے ہیں، جو دائیں بائیں حرکت کرتے ہیں اور غذا کو چبانے اور پیسنے کے کام آتے ہیں۔ ان کا مقصد زیادہ تر ریشے دار غذا کو چبانا اور پیسنا ہے۔ انسانی ہاضمے کی نالی بھی سبزی خور جانوروں کی طرح ہے، جو نہایت طویل ہے۔ یہ ہمارے جسم کی نسبت بارہ گنا زیادہ طویل ہوتی ہے۔ یہ ان ریشے دار نباتی غذاؤں کے ہاضمے کے لئے ہے جو دیر میں ہضم ہوتی ہیں، مثلاً ترکاریاں، سبزیاں، اناج وغیرہ اور یہ غذائیں نہایت طویل عرصے تک اس ہاضمے کی نالی میں ٹھیرتی ہیں۔ گوشت خور حیوانوں کی ہضمی نالی مختصر اور ان کے جسم سے صرف تین گنا زیادہ بڑی ہوتی ہے۔ چونکہ گوشت جلد خراب ہو کر سڑ جاتا ہے، اس لئے اس کو جلد ہضم کر کے باہر خارج کرنا اور فضلات کو اندر جمع نہ ہونے دینا ضروری ہے، لہٰذا اگر گوشت کو لمبی ہضمی نالی والے انسان کثرت سے کھائیں گے تو ان کی بڑی آنت سرطان کے خطرے کی زد میں رہے گی، جو دور حاضر میں اہل مغرب اور تمام خوش حال گوشت خوروں میں عام ہے۔

انسانی تاریخ کا طویل ترین دور زیادہ تر سبزی خوری کا رہا ہے اور اب بھی دنیا کی زیادہ تر آبادی کا یہی طرز زندگی ہے۔ ماضی قریب تک اسی طرح کی صورت حال اہل مغرب کی بھی تھی، گوشت کی طرف نہایت رغبت، صرف صدی ڈیڑھ صدی کا قصہ ہے، جس کو مزید مہمیز بیسویں صدی کی خوش حالی نے دی ہے۔ ہمارے ملک میں گوشت نہایت مقبول عام ہے اور سیخ کباب، بوٹی، نہاری، حلیم اور کڑاہی گوشت وغیرہ کے اشتیاق نے اس کا کھانا مزید بڑھا دیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ محض گیارہ ترقی یافتہ ممالک دنیا کا 40 فیصد گوشت کھا جاتے ہیں۔ کیا سبزی خور طویل العمر ہوتے ہیں؟ یہ غلط فہمی بھی عام ہے کہ انسان جیسی قوی جسم کی مخلوق بغیر گوشت کھائے زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہاتھی، گھوڑے، بیل اور ماضی بعید کے بڑے بڑے حیوان، سبزی خور اور نہایت مضبوط و جفاکش رہے ہیں۔ عالمی جنگوں کے زمانے میں، جن ممالک میں گوشت کی رسد گھٹ گئی تھی، سبزی خوری نے صحت بہتر اور امکانی موت کی شرح گھٹا دی تھی۔ اُس زمانے میں دل ورگوں کے امراض کم ہو گئے تھے، مگر جنگ کے بعد جب غذاؤں میں وہی افراط ہو گئی تو مرض اور موت کا بھی پہلے جیسا حال ہو گیا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ ہنزہ کے رہنے والے لوگ جن کی غذا زیادہ تر ترکاریوں پر مشتمل ہوتی ہے، نہایت طویل العمر ہوتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ غذاؤں میں سبزیوں کی کثرت ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ سبزی خوری دل کی محافظ ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عارضہ دل کی تکلیف ان ممالک میں زیادہ ہے، جو گوشت خور ہیں اور حیوانی غذائیں بہ رغبت کھاتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سبزی خوروں میں بلند فشار خون اور کولیسٹرول بڑھنے کی شکایت کم ہوتی ہے۔ اس کی نسبت گوشت خوروں میں یہ شرح بلند رہتی ہے۔ دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی چیزیں اور انڈے کھانے والوں میں بھی سبزی خوروں کی نسبت کولیسٹرول اور فشار خون زیادہ ہوتا ہے۔ عارضہ دل کی خرابی میں اہم سبب کولیسٹرول اور جمی ہوئی چکنائی ہے، جو حیوانی غذاؤں سے حاصل ہوتی ہے۔ اکثر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ کھلاڑیوں وغیرہ کو حیوانی لحمیات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ دراصل انھیں جس قدر لحمیات پٹھوں کی صلاحیت بڑھانے کے لئے چاہیے، اس قدر لحمیات سبزیوں میں بھی ہوتی ہے، لہٰذا سبزی خوروں میں جفاکشی، مسلسل محنت اور قوت برداشت زیادہ ہوتی ہے۔

سبزی خوری اور سرطان: گزشتہ چند عشروں کی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ جس غذا سے عارضہ قلب کے امکانات میں کمی ہوتی ہے، وہی غذا بڑی آنت، چھاتی اور رحم وغیرہ کے سرطان میں بھی کمی کا باعث ہوتی ہے۔ بڑی آنت کے سرطان کا سبب گوشت، چربی اور کولیسٹرول کا باقی ماندہ پھوک ہوتا ہے، جس سے سرطانی مواد پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑی آنت کے قرب میں رہتا ہے، کیونکہ اس طرح کی غذا کھانے والے قبض میں مبتلا رہتے ہیں۔ رحم اور چھاتی کے سرطان کا سبب، اس غذا سے کثیر مقدار میں نسوانی ہارمون ایسٹروجن کی پیداوار ہوتی ہے، جو سرطانی اثرات رکھتی ہے۔ یہ بھی پتا چلا ہے کہ سبزیاں مثلاً گوبھی، شلجم، مولی، پالک، پھلیاں، دالیں اور بیج والے پھل کھانے والے مانع سرطان ہاضم خمیر (انزائمز) پیدا کرتے ہیں اور اس طرح سرطانوں سے نسبتاً محفوظ رہتے ہیں۔ سبزی خوری کے فوائد حاصل کرنے کے لئے مطلق سبزی خور ہو جانا ضروری نہیں۔ دراصل ہر کھانے میں یا ہر روز گوشت کھانا غیر ضروری ہے۔ کھانوں کا اہتمام اس طرح کیا جائے کہ سبزیوں، ترکاریوں پر انحصار بڑھتا جائے اور گوشت و چربی پر کم ہوتا جائے۔ کم گوشت کے سالن میں سبزی کی مقدار زیادہ ہونی چاہیے۔ اس ضمن میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہونا چاہیے کہ اصل کھانا دال، سبزی، پھلی اور اناج ہے، باقی گوشت کی قلیل مقدار صرف خوشبو اور ذائقے کے لئے ہے۔ (ڈاکٹر عقیلہ مشتاق)

Volume:62/72,Issue:09 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND

NAQUEEB WEEKLY

PHULWARI SHARIF,PATNA 801505

SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

ایک آنسو بھی حکومت کے لئے خطرہ ہے
تم نے دیکھا نہیں آنکھوں کا سمندر ہونا
(منوررانا)

مسلم آبادی کا مسئلہ، حقیقت کیا ہے؟

مولانا عبد الحمید نعمانی

آرایس ایس کے دوسرے سنگھ سرسنچا لک گروگولولکر نے BUNCH OF THOUGHTS میں لکھا ہے کہ منفی بنیادوں پر کوئی تنظیم یا فرد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتا ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ ہندوتو وادی تنظیمیں اور افراد منفی بنیادوں پر ہی اپنی زندگی کی عمارت کھڑی کر کے اس میں رہ رہے ہیں، بلکہ کہنا چاہیے کہ ہندوتو کا پورا فلسفہ ہی منفی بنیادوں پر قائم ہے، ہمیں اس سے کوئی پریشانی اور تکلیف نہیں ہے کہ کوئی تنظیم، ہندو سماج کو متحد و مضبوط کرنے کی جدو جہد کرے، سچائی اور ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ آدمی جس کمیونٹی سے تعلق رکھتا ہے، اسے مضبوط کرنے کی فطرتاً خواہش ہوتی ہے، مثبت بنیاد کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ اپنے حقوق کے لیے ہونے والی ناانصافی کے خلاف جدو جہد کی جائے اور منفی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دیگر کے خلاف نفرت یا اس کو نشانہ پر رکھ کر کام کیا جائے، اب دیکھا جائے کہ سنگھ اور اس کی معاون تنظیمیں اور دیگر ہندوتو وادی عناصر کن باتوں کی بنیاد پر پورے ملک میں جدو جہد کر رہے ہیں، پورے سماج کی مجموعی فلاح و بہبود کے لیے ایک کام بھی تو ایسا نہیں ہے، جس کے متعلق کہا جا سکے کہ اسے مثبت بنیاد پر کیا جا رہا ہے، منفی بنیاد پر جدو جہد کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کسی نہ کسی کو دشمن کے روپ میں زندہ رکھنا پڑتا ہے، آج بھی اگر یہ ہندوتو وادی تنظیمیں مسلمانوں، عیسائیوں کو اپنے سامنے سے دشمن کی حیثیت سے ہٹا دیں تو ان کی تمام تر سرگرمیاں دوسرے دن ہی ختم ہو جائیں گی، اس لیے اکثریت میں اقلیتوں کا نفسیاتی خوف پیدا کر کے اپنی تحریکوں میں جان ڈالنے کا سلسلہ جاری رکھا جاتا ہے۔

یہی حکمت عملی مسلمانوں کی آبادی میں معمولی اضافہ کو بہت بھیانک شکل اور بڑا خطرہ بنا کر پیش کرنے کے پس پشت بھی کارفرما ہے، کسی بھی کمیونٹی کے لیے اس سے بڑی کوئی شرمناک اور بزدلی کی بات نہیں ہوسکتی کہ اپنے سے کم تعداد والی آبادی میں اکثریت کی طرف سے ہمیشہ خوف و دہشت بنائے رکھا جائے اور اس کے لیے مسلسل جھوٹی اور بے بنیاد باتوں کو عنوان بنا کر کم کیا جائے، سال 2011ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے صرف مسلمانوں سے متعلق حصے کو پیش کرنے کے اس شرارت کے مقصد کو سمجھنا بہت زیادہ مشکل نہیں ہے، اگر سابقہ مردم شماریوں میں مسلمانوں کی شرح آبادی اور اضافے کی رفتار کو 2011ء کی شرح آبادی کی رفتار کے ساتھ پیش کیا جاتا تو یہ صاف ہو جاتا کہ مسلمانوں کی شرح آبادی میں نسبتاً کمی آئی ہے، البتہ ملک کی مجموعی آبادی کے تناسب میں بہت تھوڑا اضافہ ہوا ہے، اور اس کے کیا اسباب ہیں، ان کا پتا لگایا جا سکتا ہے۔ ایک سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اکثریتی سماج خصوصاً تاجر طبقے میں لڑکیوں کی پیدائش کو لے کر ایک مخصوص ذہن کام کرتا ہے، پنجاب، ہریانہ اور دیگر علاقوں میں بچیوں کو شکم مادر میں مارنے یا اسقاط کے بہت واقعات ہوتے ہیں، جب کہ مسلمانوں میں ایسا نہیں کے برابر ہے، دوسرے یہ کہ کئی کمیونٹیز (جینی وغیرہ) نے کئی دہائیوں سے ہندو اکثریت سے ایک کمیونٹی کے طور پر خود کو الگ درج کرا لیا ہے، بہت سے ہندو تبدیلی مذہب کر کے بودھ، عیسائی اور مسلمان بن جاتے ہیں، اگر بودھ، سکھ، جینی وغیرہ کی آبادی میں شرح اضافہ کی تفصیلات بھی سامنے لائی جائیں تو صورت حال کو سمجھنے میں اور مدد ملے گی، مسلم اکثریت والے ممالک میں بھی مسلمانوں کی شرح آبادی کے تناسب میں پہلے کے مقابلے شرح اضافہ میں کمی آئی ہے، ہندوستان جیسے مسلم اقلیت والے ملک میں اگر مسلم آبادی میں تھوڑا اضافہ ہوا ہے تو اسے نشانہ بنانے اور اس کے نام پر اکثریت میں خوف و نفرت پیدا کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ کہہ کر اس کے خلاف ماحول بنانے کی کوشش بہت ہی شرانگیز ہے کہ یہاں مسلمان ایک منصوبے کے تحت 4 بیویاں اور 40 بچے کے فارمولے پر عمل کر کے اپنی آبادی میں بے تحاشہ اضافہ کر رہے ہیں، کیا عملاً ممکن ہے کہ مسلمان ایک سے زائد دو چار تک بیویاں کریں، مسلم آبادی میں بھی ہزار میں 29 لڑکیاں کم ہیں، بعض علاقوں میں تو 64 عورتیں کم ہیں، یعنی مردوں کے مقابلے ایک ہزار میں 971 اور 936 ہی عورتیں ہیں، جب مرد، عورت کا تناسب برابر نہیں ہے تو ایک سے زائد بیویاں کرنے کی بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے، پھر یہ بھی کہ ایک سے زائد شادیوں سے آبادی میں اضافہ کیسے ہوسکتا ہے، اگر چار عورتیں، ایک مرد کی بیویاں ہوں گی تو چار مردوں کی الگ الگ بیویاں ہونے کی صورت میں بچے زیادہ کیسے ہوسکتے ہیں، پہلی شکل میں قوت تولید کی کمی کے ساتھ دیگر وجوہ سے بھی بچے عملاً کم ہی ہوں گے، زیادہ بیویوں سے زیادہ بچوں کی پیدائش کی بات قدرت کے نظام تخلیق سے نابلد شخص ہی کر سکتا ہے یا سادھو پراچی یا ساکشی جیسے لوگ کر سکتے ہیں، بچے یوں ہی خلا اور ہوا میں پیدا نہیں ہو جاتے ہیں، بلکہ نظام قدرت کے تحت لڑکا لڑکی کی پیدائش ہوتی ہے، ایک آدمی کے مادہ منویہ میں بہت کم ایسے جراثیم ہوتے ہیں، جو بچہ بچی کی شکل اختیار کر پاتے ہیں، جس طرح پراچی اور ساکشی وغیرہ ہندو خواتین سے 5,5,4,4 بچے پیدا کرنے کی ترغیب و دعوت دے رہے ہیں، وہ انتہائی شرمناک ہے، جن ممالک میں حکومتوں کی طرف سے آبادی پر کنٹرول کرنے کی کوششیں ہوئی ہیں، وہاں آبادی کا توازن اور مرد و عورت کا تناسب بری طرح بگڑ گیا ہے، اب وہ آبادی بڑھانے کی ترغیب اور انعام دے رہے ہیں۔ بچوں کی پیدائش کا معاملہ اصلاً براہ راست ماں باپ سے تعلق رکھتا ہے، اس میں حکومت یا کسی فرد اور تنظیم کی مداخلت کا کبھی بھی بہتر نتیجہ نہیں نکل سکتا، اپنے حالات کے حساب سے شوہر بیوی کو ہی یہ فیصلہ کرنے کی آزادی ہونی چاہیے، مختلف فرقوں والے ملک میں آبادی کی کمی، بیشی جیسے معاملے میں دوسرے فرقے کے حوالے سے بات کرنے سے نفرت و دوری ہی پیدا ہوگی، جب کہ آج کی تاریخ میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور ایک دوسرے سے قریب ہونے اور بہتر تعلقات پیدا کرنے کے طریقوں پر کام کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، ہندو اکثریت کی آبادی میں اگر کچھ کمی آ رہی ہے تو اس کے لیے مسلمان تو ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ اس کے اسباب پر غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے، سابقہ مذکورہ اسباب کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ 2001ء کی مردم شماری میں کشمیر جہاں مسلمان 68 فی صد ہیں، کو شامل نہیں کیا گیا تھا، اگر کل آبادی سے 68 فی صد، 1.25 کروڑ کو نکال دیا جائے تو مسلم آبادی اور کم ہو جاتی ہے، مزید یہ کہ ہندوؤں میں 5 سال کے بچوں کی شرح اموات 6 فی صد زیادہ کیوں ہے؟ یعنی ہندوؤں میں شرح اموات 76 فی صد اور مسلمانوں میں شرح اموات 70 فی صد ہے، اس کے علاوہ کئی سروے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ مسلمانوں کی عمر ہندوؤں سے عموماً تین سال زیادہ ہوتی ہے، اس حالت میں ظاہر ہے کہ ہر دس سال میں مسلم آبادی میں چند فی صد کا اضافہ ہوگا، اس کا ایک سے زیادہ بیویوں اور بچے پیدا کرنے یا ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایسا بالکل نہیں ہے کہ ہندو کم بچے پیدا کر رہے ہیں۔ مسلمان، ہندو کے امیر، غریب اور تعلیم یافتہ، ناخواندہ طبقے میں بچوں کی پیدائش کی شرح قریب یکساں ہے، البتہ مسلمانوں کی عمر میں عموماً اضافہ اور شرح اموات کی کمی کا معاملہ ضرور ہے، یہ تو ایک قدرتی معاملہ ہے، اس میں مسلمانوں کے ارادی عمل کا براہ راست کوئی دخل نہیں ہے، مسلمانوں میں ساکشی، پراچی یا دیگر سادھو سنتوں کی طرح افراد بہت کم ہیں، اگر ایک طرف ایسے لوگ ہوں گے اور دوسری طرف شرح اموات 6 فی صد مسلمانوں سے زیادہ ہوگی تو نسبتاً ہندو، مسلمانوں کی آبادی میں تھوڑا فرق تو ہوگا ہی، اسے دوہرے رنگ میں پیش کرنا، شرانگیزی اور فتنہ گری کے سوا کچھ اور نہیں ہے، مسلم آبادی میں معمولی اضافے کو ہوّا بنا کر بھیانک انداز میں پیش کرنے کی کوشش کوئی نئی بات نہیں ہے، آج سے ایک سو چودہ، پندرہ سال پہلے یعنی 1901ء سے ہی اسے ایک مسئلہ بنا کر پیش کرنے کا سلسلہ جاری ہے، اس سلسلے میں یو این مکھر جی کی کتاب "ہندو ایک قریب المرگ قوم" کا ایک وقت میں بڑا چرچا رہا ہے، جب کہ اس وقت ملک غلام تھا، آج یہ کہہ کر اکثریت میں خوف و دہشت پیدا کیا جا رہا ہے کہ کچھ سو سالوں میں مسلمان ہندوؤں سے زیادہ ہو جائیں گے اور ہندوستان دارالاسلام ہو جائے گا، اور ہندو غلام ہو جائیں گے، ظاہر ہے کہ یہ خوف کی نفسیات کا استعمال کر کے اکثریت کو اپنے ساتھ لانے کا جانا پہچانا پرانا کھیل ہے، اسی کا حصہ چار بیویوں اور چالیس بچوں کا شرانگیز پروپیگنڈہ بھی ہے۔

مسلمانوں کی شرح آبادی میں اضافہ کے سلسلے میں آسام اور مغربی بنگال جیسے صوبوں کا خاص طور سے ذکر کیا جاتا ہے، ان صوبوں میں بنگلہ دیشی گھس پیٹھیوں کا پروپیگنڈا بہت زیادہ کیا جاتا ہے، جس سے سرکاری حکام کی بھی ایک بڑی تعداد متاثر ہے، ایک مردم شماری سے دوسری مردم شماری کی دس سالہ مدت میں ایسے افراد بھی شمار میں آ جاتے ہیں، جس کی پہلی مردم شماری کے دوران میں مشکوک قرار دے کر گنتی نہیں ہوئی تھی، پہلے وہ تسلیم شدہ دستاویزات میں سے حالات کا شکار ہونے کے سبب کوئی اطمینان بخش شناخت نامہ پیش نہیں کر سکے تھے، مثلاً سیلاب یا فسادات کے سبب وہ گھر زمین جائیداد کے کاغذات گھروں سے نہیں لا سکے اور دوسری جگہوں پر رہائش پذیر ہو گئے، بعد میں تحقیقات کے بعد سرکاری حکام نے شناخت نامے جاری کر دیئے، ایسے افراد اگر بعد کی مردم شماری میں اپنا نام درج کرا لیتے ہیں تو اسے آبادی میں بے تحاشہ اضافے کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے، کوئی بھی قابل ذکر مسلم لیڈر یا تنظیم غیر ملکیوں کے چاہے وہ بنگلہ دیشی ہی کیوں نہ ہوں، غیر قانونی طور سے ہندوستانی بن جانے کی حمایت نہیں کرتی ہے، نہ پہلے کی ہے، لیکن کئی ہندوتو وادی تنظیمیں دوسرے ممالک سے آئے ہندوؤں کو پناہ گزیں قرار دے کر ہندوستانی شہریت دینے کی حمایت کرتی ہیں، جب کہ بہت سے بنگلہ زبان بولنے والے مسلمانوں کو گھس پیٹھیے قرار دے کر ملک سے نکال باہر کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں اور مہم بھی چلاتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ فرقہ پرستی اور دوہرا معیار ہے، حیرت اور تشویش کی بات تو یہ ہے کہ بی جے پی کی طرف سے عام انتخاب کے موقع پر جاری کردہ انتخابی منشور میں بھی دوسرے ملکوں سے آنے والے ہندوؤں کا استقبال کیا گیا ہے، اس سلسلے میں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ غیر ممالک سے آنے والوں کے بارے میں بلا تفریق مذہب و فرقہ متعلقہ ممالک سے مؤثر بات چیت کر کے اپنے شہریوں کو واپس لینے اور تحفظ کا بندوبست کرنے کے لیے کہا جائے، نہ کہ ہندو مسلم کے نام پر آبادی میں اضافہ کو اس طور سے پیش کرنے کی کوشش کی جائے کہ ملک کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی درہم برہم ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے، کچھ ماہرین مسئلہ آبادی کو بہت بھیانک اور دھماکہ خیز بنا کر پیش کرنے میں حد سے زیادہ دل چسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن ملک کے وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم اور غیر متوازن نظام نسبتاً آبادی سے جو بڑا مسئلہ ہے، اس پر بحث و گفتگو سے عموماً گریز کرتے ہیں، مسلمانوں اور ان کی آبادی کو مسئلہ بنا کر پیش کرنا تو اور بھی سنگین معاملہ ہے۔

☆ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے، فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں، مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر آپ سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔ **رابطہ اور واٹس اَپ نمبر 9576507798**

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168,Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233

نقیب کے شائقین نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ **www.imaratshariah.com** پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ (**محمد اسعد اللہ قاسمی منیجر نقیب**)